حدیث

محمد اظہر مدنی

نرمی کی فضیلت

عن جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ تعالی عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یحرم الرفق یحرم الخیر کلہ. (سنن ابو داؤد)

ترجمہ: جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جو شخص نرمی کی (صفت وعادت) سے محروم کردیا جاتا ہے وہ تمام بھلائیوں سے محروم کردیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ جس طرح سے نماز، روزہ، حج اور زکوۃ کے احکامات کی ادائیگی پر اجر عظیم سے نوازتا ہے اسی طرح سے ایک دوسرے پر نرمی کرنے پر بھی اجر وثواب عطا کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جو کام نرمی سے بآسانی ہوجاتا ہے وہ سختی سے نہیں ہوتا ہے اسی لئے نرمی سے پیش آنے کی تلقین کی گئی ہے لیکن شرعی اور قانونی حدود میں رہ کر جہاں کچھ سختی کی ضرورت پیش آجائے تو شریعت نے ایسے مواقع پر حکمت کے ساتھ اس کی اجازت بھی دی ہے۔ اسلام نے اپنے متبعین کو جگہ بجگہ نرمی اختیار کرنے کی تاکید ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ سختی کی بہ نسبت نرمی کو زیادہ پسند کرتا ہے۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ رفیق ہے اور ہر معاملہ میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی گھر والوں کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو ان کے اندر نرمی پیدا کردیتا ہے۔

مذکورہ احادیث میں عمومی نرمی کا ذکر اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر انسانوں کے ساتھ نرمی کرنے کے ساتھ ساتھ جانوروں پر بھی نرمی کرنے کی تلقین کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی مختلف آیتوں میں اپنے پیارے نبی کو بھی نرمی کرنے کا حکم دیا ہے۔ ''وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَر ''(سورہ الضحی) ''اور نہ سوال کرنے والے کو ڈانٹ ڈپٹ''۔ ایک بار اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں کسی انصاری صحابی کے ایک باغ میں تشریف لے گئے۔ وہاں پر ایک گھوڑا آپ کو دیکھ کر رونے لگا۔ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گھوڑے کے پاس پہنچ کر اس کے جسم پر ہاتھ رکھا تو وہ خاموش ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اس گھوڑے کا مالک کون ہے؟ ایک انصاری نے کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس گھوڑے کا مالک میں ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر فرمایا: جن جانوروں کو ان کی دیکھ بھال وکفالت کرنے کا اللہ نے تمہیں مالک بنایا ہے ان کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ اس اونٹ نے مجھ سے شکوہ کیا ہے کہ کام زیادہ لیتے ہو اور بھوکھا رکھتے ہو۔ (حدیث کا مفہوم)

اس طرح کی متعدد روایتیں ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ معاشرہ کو معتدل رکھنے کے لئے اسلام نے ہر شعبہ میں نرمی کا حکم کیا ہے۔ نصیحت کی جائے تو نرمی سے کی جائے، کسی سے بات چیت کی جائے تو نرمی کا رویہ ہونا چاہیے، کسی کو دین کی دعوت دی جائے تو ایسے موقع پر بھی نرمی کا مظاہرہ کرنا چاہیے، کسی سے کوئی معاملہ کیا جائے تو نرم گفتاری کا خیال رکھا جائے۔ بچے ہوں بڑے ہوں عورت ہو یا مرد، اپنا ہو یا غیر سب کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا جائے یہی اسلام کی تعلیم ہے۔ کسی کی بدزبانی دوسرے کے لئے نمونہ نہیں ہوسکتی کہ اگر فلاں نے سخت لہجے میں خطاب کیا ہے تو ہمیں بھی ایسا کرنا چاہیے۔ اس طرح سے مزید تلخی بڑھتی ہے اور لڑائی جھگڑے کی نوبت آجاتی ہے۔ اس لئے سخت کلامی اور بدزبانی سے حتی الوسع بچنا چاہیے، ہمارے لئے نمونہ اسلامی تعلیمات ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ہر معاملات میں نرمی اپنانے کی توفیق ارزانی عطا فرمائے۔ آمین وصلی اللہ علی النبی

☆☆☆

مدیر مسئول

اصغر علی امام مہدی سلفی

مدیر

عبدالقدوس اطہر نقوی

نائب مدیر: مولانا خورشید عالم مدنی　مدیر اعزازی: مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی

مجلس ادارت

مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی　مولانا شہاب الدین مدنی　ڈاکٹر سعید احمد مدنی
مولانا اسعد اعظمی　مولانا طہ سعید خالد مدنی　مولانا انصار زبیر محمدی

اس شمارے میں

درس حدیث	۲
اداریہ	۳
حجاج ومعتمرین کا شاہی استقبال اور عالیشان ضیافت قابل....	۷
قرآن مجید میں قصوں کی تکرار کی حکمتیں	۸
جمعہ سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور اس دن کی...	۱۲
میاں بیوی کے حقوق اور گھر کے کام کاج کی ذمہ داری	۱۴
منشیات اور اسلام	۱۶
جھوٹی گواہی سنگین جرم ہے	۲۰
علم میں بھی سرور ہے لیکن	۲۵
سیدنا حضرت عروہ بن زبیر کی حدیثی خدمات: ایک مختصر جائزہ	۲۷
جماعتی خبریں	۳۰
اپیل	۳۲

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

بدل اشتراک

سالانہ ―――― ۱۵۰/روپے
فی شمارہ ―――― ۷/روپے
پاکستان ―――― ۵۰۰/روپے

بلاد عربیہ ودیگر ممالک سے ۳۵ ڈالر یا اس کے مساوی

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند
اہل حدیث منزل ۴۱۱۶، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی ۔ ۱۱۰۰۰۶
ویب سائٹ www.ahlehadees.org
ترجمان ای میل jaridahtarjuman@gmail.com
جمعیت ای میل jamiatahlehadeeshind@hotmail.com

اَلْحَقُّ مُرٌّ

’’اَلْحَقُّ مُرٌّ‘‘ حق کڑوا ہوتا ہے۔حق اگر واقعی کڑوا ہے تو اس کے اندر اور زیادہ کڑواہٹ گھولنے سے وہ زہر بن سکتا ہے۔اگر وہ آگ کی طرح گرم ہے تو اس پر مزید پیٹرول چھڑکنے کا کام اس میں تلخی پیدا کرنے سے ہو جائے گا۔اگر اس کے اندر خراش اور خروش ہے تو مزید سختی سے بدن اور جسم وجان کو اور چھیل ڈالے گا۔اگر کسی کے مزاج ہی میں گرمی پائی جاتی ہو تو اس کو مزید سرلیس کرنے سے وہ غیظ وغضب ڈھا سکتا ہے اور اگر اس سے بلڈ پریشر ہائی ہو جاتا ہو تو برین ہیمبرج ہونے کا خطرہ مزید بڑھ جائے گا۔دوا اگر کڑوی ہے تو آپ اسے مزید ڈانٹ ڈپٹ کر اور تلخی گھول کر بچے اور مریض کو نہیں پلا سکتے۔اگر حق بات گراں گذرتی ہے تو مت کہئے کہ جس کو گراں گذرتی ہے گذرا کرے، ’’الحق مر‘‘ حق تو کڑوا ہوتا ہے۔اس طرح آپ حق کو ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کا سبب بنیں گے، بلکہ اسے حق کا دشمن بنا دیں گے۔سب جانتے ہیں کہ حق بات قبول کر لینے میں دنیا وآخرت کی بھلائی ہے۔حق ہی باقی اور ثابت رہنے والی چیز ہے۔باطل مٹنے والی اور زائل ہو جانے والی چیز ہے۔مگر حق کو قبول کر لینا لوگوں پر گراں گذرتا ہے۔کسی زمین کے لفڑے اور تنازعے میں یہ ثابت ہو جائے کہ وہ آپ کی نہیں ہے، حق کسی اور کا بن رہا ہے آپ کا نفس مال کی طرف میلان ہونے کی وجہ سے اسے چھوڑنے اور حقدار کو دے دینے کے لیے آمادہ نہیں ہے۔آپ پر بہت گراں گذرتا ہے کہ آپ اسے چھوڑ دیں، نفس کسی طرح تیار نہیں ہوتا کہ اس کو چھوڑ دیا جائے اور اگر اپنے پرائے خیر سے موجود ہیں تو وہ آپ کو یہی مشورہ دیتے ہیں بلکہ زور لگا کر کہتے ہیں کہ یہ آپ کی ملکیت ہے، آپ اتنی آسانی سے کیسے چھوڑ دیں گے؟ اگر موروثی زمین ہے تو آپ کو دس فارمولے اور دلیلیں سمجھاتے ہیں کہ آبا واجداد نے پتہ نہیں کیسے اسے حاصل کیا تھا؟ وہ کوئی بے ایمان انسان تو تھے نہیں، انصاف اور ایمانداری میں تو ابا جان کا ڈنکا بجتا تھا، دادا جیسا متقی اور صاحب ورع تو کوئی اس وقت تھا ہی نہیں۔اور کبھی اپنے حق میں فیصلہ آ گیا تو یہ جانتے ہوئے بھی کہ میرے یا میرے خاندان کا موقف کمزور تھا، یا انہوں نے غصب کیا تھا، یا انہوں نے سو پچاس دے کر فیصلہ اپنے حق میں کرا لیا

ہے تو کسی بھی طور پر ہم اس سچائی کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں اور نہ دوسروں کے حق کو تسلیم کرنے کے لیے آمادہ ہیں کہ حق کو حقدار کے حوالے کر دیں۔ الغرض حق کو مان لینا اور اسے قبول کرنا حتی کہ سننا بھی بڑا کڑوا لگتا ہے۔ اگر آپ اپنے اسلوب بیان، طرز تخاطب و ادا اور رویہ و انداز سے اسے اور کڑوا کر دیں تو بتائیے کہ مخاطب اور سننے والوں کا کیا حال ہوگا؟ اگر حق و انصاف کے اس تقاضہ، دعوت اور امر بالمعروف والنھی عن المنکر کے فریضہ کو آپ استہزا و تمسخر، تشدد اور فرعونیت کے انداز میں پیش کریں تو پھر اتنی کڑواہٹ تو اپنے مشفق ابا اور پیاری اماں بھی قبول نہ کریں۔

ایک اور بات جو انتہائی نامناسب اور حق تلفی و زیادتی پر مبنی ہے کہ ہم حق اور سچی بات کو جو حقیقت میں بڑی کڑوی ہے، سخت لہجے، کرخت آواز اور بھدے اور برے طریقے سے پیش کریں، صرف اس زعم میں کہ میں سچ بول رہا ہوں، حق پر ہوں اور میرا موقف صحیح ہے۔ لہٰذا سخت اور بھدا اسلوب بیان اور غیر مناسب طریقہ اظہار اختیار کرنا کسی بھی طرح درست نہیں ہے۔ بلکہ آپ حق پر ہیں اور سچ کہتے ہیں لیکن آپ نا مناسب انداز بیان اختیار کرنے کی وجہ سے لوگوں کو حق سے متنفر کرنے کا ذریعہ بھی بن رہے ہیں اور سچ پر ہونے کے باوجود تکذیب و انکار کی دعوت دے رہے ہیں۔ بات جتنی اچھی اور سچی ہو اسے اتنے ہی اچھے اور پیارے طریقے سے پیش کرنا بھی ضروری ہے۔ ایک بات بہت زیادہ توجہ طلب ہے کہ جب آپ جان رہے ہیں کہ حق کڑوا ہوتا ہے تو اس بات کو بھی پیش نظر رکھنا ہوگا کہ اس کو قبول کرنا بڑا مشکل ہوگا اور ہر شخص کے لیے حق ظاہر ہوتے ہی قبول کر لینا انتہائی دشوار کام ہوگا۔ انسان دراصل اس کے لیے آمادہ ہوتا ہی نہیں کہ اس کی غلطی طشت از بام ہو جائے۔ ایک تو اس کو حق پر نہ ہونے کا غم ستاتا ہے کہ دنیا کیا کہے گی کہ میں اتنے دنوں سے غلطی پر تھا؟ دوسرے یہ کہ وہ شماتت کا ذریعہ بنتا ہے اور تیسرا یہ کہ دنیا کی نظروں میں وہ گر جاتا ہے کیوں کہ بہت کم لوگ ہیں جو کسی شخص کے ہارنے کے بعد ہار تسلیم کرنے والے کو مبارکباد دیتے ہوں۔ اکثر اس کو برا بھلا کہتے ہیں، طعنہ دیتے ہیں کہ دیکھو کیسے ناک رگڑنے کے بعد حق دینے چلا ہے۔ ارے ڈنڈے پڑنے والے تھے، آڈر بڑا سخت تھا، ایماندار ہوتا تو پہلے نہیں دے دیتا۔ اس نے مارے خوف کے کہ مزید رسوائی اور پٹائی نہ ہو جائے دے دیا۔ مزید یہ کہ خود انسان کا نفس تیار نہیں ہوتا کہ ہار کیوں مان لوں۔ اب ایسے میں مزید آپ اس حق کو بتانے اور سچائی کو قبول کرانے کے لیے ملامت، تشدد، سختی اور برے الفاظ استعمال کرتے ہیں تو وہ بھی اکڑ جائے گا، کبھی کھلم کھلا جحود و انکار کی راہ اپنائے گا اور حق کے مقابلے میں باطل پر ہونے کے باوجود تن جائے گا اور کبھی حق کو حق ہی نہ مانے گا۔ سچائی چھپالے گا اور حق کو ظاہر ہی نہیں ہونے دے گا اور یہ بارہا ہوتا ہے۔

حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ اور حضرت غامدیہؓ کے قصے میں دیکھو کہ انہوں نے کس طرح سچائی خود بخود آ کر اگل دی۔ کسی بات کی پرواہ نہ کی، اپنی جان کا نذرانہ باصرار و تکرار پیش کر دیا اور اپنے گناہ کا اعتراف کر لیا تھا۔ ان کی توبہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے ستر لوگوں کی توبہ پر فوقیت دی اور ان سب کے لیے ان کی اس ایک توبہ کو ہی کافی بتایا۔ مگر اس کے باوجود کچھ لوگ ان کو برا مان رہے تھے۔ ان کا ایمان پہاڑ کی طرح تھا، پھر بھی وہ اگر زندہ ہوتے تو اس کو برا مانتے یا عار محسوس کر سکتے تھے۔

رحمۃ للعالمین محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیارے چچا ابو طالب کو کس محبت اور اپنائیت سے حق کی تلقین کر رہے تھے؟ محض اس جذبے سے کہ وہ حق کو قبول کر لیں آپ کتنا جتن فرما رہے تھے؟ اور حقیقت یہ ہے کہ جناب ابو طالب لا الہ الا اللہ کی سچائی اور حق صریح کو قبول بھی کرنا چاہ رہے تھے۔ انہوں نے بھتیجے کے لیے کونسی ایسی قربانی تھی جو نہ دی ہو۔ جان، مال، وقت اور منصب و مقام کی کوئی پرواہ نہ کی، مگر ان کے حق کو قبول کرنے میں کوئی بات مانع ہوئی تو وہ شماتت اور خاندانی عار تھی جو اس وقت ابوجہل ان کو دلا رہا تھا کہ ''اترغب عن ملة ابیک'' کہ لوگ کیا کہیں گے جب آپ آبا و اجداد کے دین کو چھوڑ کر دین اسلام قبول کر لیں گے؟ یہ بات ان کے ذہن و دماغ میں نہ چاہتے ہوئے بھی بیٹھ گئی۔ دیکھا آپ نے! کہ کس طرح حق سامنے آیا ہوا، دل میں سمایا ہوا، نبی کا فرمایا ہوا اور پیار سے جام توحید پلایا ہوا بھی ہضم نہ ہوا، محض اتنی سی بات پر کہ دین آبا و اجداد سے کیسے منہ موڑ لیں؟ آپ نہیں جانتے کہ شیاطین الانس والجن ابوجہل کی شکل میں ہر جگہ ہو سکتے ہیں۔ شیاطین الجن کو تو ''وسواس الخناس'' کا سرٹیفکیٹ ملا ہی ہوا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ اگر آپ ان ساری رکاوٹوں کو اپنے قول و کردار اور گفتار و پندار سے مزید کڑوا بنا دیں گے تو اس سچی کڑواہٹ کو کون قبول کرے گا؟ اس پر طرہ یہ کہ آپ کو اس کا احساس بھی نہیں ہے۔ نہ اپنی اس روش کی پرواہ ہے نہ حق کو قبول کروانے کی فکر۔ محض اس دھوکہ، بھرم اور بھرّے میں پڑے ہیں کہ ''قل الحق ولو کان مرا'' حق بات کہہ دو، چاہے اچھی لگے یا بری، واہ! اس لئے آپ اپنے دل کو ٹٹولئے اور تھوڑی دیر کے لیے ہی سہی اسے جگا کر رکھئے تو سمجھ میں آئے گا کہ نفس کا کچھ نہ کچھ دخل ضرور ہے۔ اور اگر ایسا ہے تو

سمجھئے کہ عمل اکارت ہی نہیں وبال جان ہے۔ ما ھکذا تورد الابل یاسعد!

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تو اپنی سختی کے لیے مشہور تھے۔ مگر ابوجہل تو ابوالحکم یعنی پنچوں کا باپ تھا۔ سخت ظالم تھا۔ مگر مھین بھی بہت واقع ہوا تھا، جس کے بہت سے واقعات ومشاہدات موجود ہیں۔ مگر اکٹر کی وجہ سے حق واضح ہونے کے باوجود جحو دوانکار اور ظلم وجہل اور عناد وشقاق پر اڑا رہا۔ ورنہ آپ ﷺ کی حقانیت اس پر کئی مرتبہ ظاہر ہوچکی تھی۔ خوف لومۃ لائم اور حرص مدح وستائش انسان کو راہ حق ظاہر ہوجانے کے بعد بھی قبول حق اور اعتراف جمیل وفضیل سے روک دیتی ہے۔

عبداللہ بن ابی ابن سلول کو کون نہیں جانتا۔ اس کو حسد اور طلب منصب و جاہ نے ایمان لانے کے باوجود بغض وعناد اور نفاق وشقاق پر ابھارے رکھا اور اس کا سب کچھ چوپٹ کر کے رکھ دیا اور حق ظاہر وباہر ہوکر بھی اس کے لیے مفید ثابت نہ ہوا۔ مقصد یہ ہے کہ قبول حق کی راہ کی رکاوٹیں اور روڑے بہتیرے ہیں۔ حق کو حقدار تک پہنچانے میں جتنا اور جس قدر ہوسکے جتن اور محنت ولگن صرف کریں کم ہے۔ ہرطرح کی رکاوٹوں اور زنجیروں کو ہٹانا اور توڑنا بھی ضروری ہے اور قوت بیان اور زور ایمان، بھرپور اخلاص، نرم وگرم گفتار، مرونت ومروت اور حسن اخلاق سے حق رابحقدار رسید کرنا ہے اور اس راہ میں جو بھی قربانی دینی پڑے دیتے رہنا ہے، تب حق دار کا حق کسی قدر ادا ہوسکے گا۔ محسن اعظم سید ولد آدم، رحمت عالم ﷺ جو معلم اخلاق تھے اور تمام حسنات، اعلیٰ اخلاقیات اور حسن معاملات کے نمونہ خصوصا دعوت دین اور تعلیم اسلام کے معلم عالم تھے۔ صادق امین ہونے کے ساتھ یتیموں کے ماویٰ، فقیروں کے ملجا، غریبوں کی غربت کے مداوا، بیواؤں کا نگراں، بے کسوں کا نگہبان، مہمانوں کا میزبان اور حق کے علمبردار تھے اور بلاتفریق رنگ ونسل اور اپنا وپرایا اور بلاتمیز دین وایمان سب پر مہربان تھے کہ اس پر اللہ تعالی نے بھی مہر تصدیق ثبت فرمائی فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ"۔ (آل عمران:۱۵۹) "اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپ ان پر رحم دل ہیں اور اگر آپ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے" بایں ہمہ مزید حکم ہوتا ہے۔ "فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ" (المائدہ:۱۳) "پس تو انھیں معاف کرتا جا اور درگزر کرتا رہ" اور "اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ" (فصلت:۳۴) "برائی کو بھلائی سے دفع کرو" خصوصا حق کی تعلیم وتبلیغ اور تلقین میں اتنے سے ہی کام چلنے والا نہیں ہے۔

دفع سیئات کی مہم میں غالبا نرم کلام اور مہذب اسلوب ہی اس بات کا باعث بنا کہ فرعون حضرت موسی علیہ السلام سے بات چیت کرنے کو تیار ہوا اور اس نے آپ سے سیر حاصل بات کی۔ اس کے غصہ کو اپنے رفق ونرمی سے ٹھنڈا کرنے کے باوجود موسیٰ علیہ السلام پر اس کا تیور خراب ہی تھا۔ نبی ورسول سے کوئی بڑا نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی فرد بشر بڑا ہوسکتا ہے، اگر اس بلند رتبے کے باوجود آپ بھرے اور غرے میں بات کرتے، جیسا کہ دنیاداروں کا وطیرہ ہے، تو شاید وہ غضبناک ہوکر قبطی اور فرعونی کے قتل کی پاداش میں آپ کو پہلے ہی قتل کا حکم صادر کردیتا۔ لیکن وہ صرف باتیں اور اعتراض کرنے، عار دلانے اور زبانی اوقات بتانے تک سختی کرسکا، وہ بھی صرف آپ کے اسلوب ونرمی کی وجہ سے۔ پھر بھی اس نے کہا کہ تمہارے یہ کرتوت ہیں: وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِي فَعَلْتَ (سورہ الشعراء۱۹) "پھر تو اپنا وہ کام کرگیا جو کرگیا" نعوذ باللہ

اللہ کے آخری نبی سید الاولین والآخرین اور امام الانبیا ﷺ کا دشمنوں کے ساتھ بھی ہمیشہ یہی اسوہ رہا اور امت کو اسی کو نمونہ بنانے کا حکم دیا اور امامانِ دین اور مجتہدین ومحدثین خصوصا اہل حدیث کا یہی طرہ امتیاز تھا، دنیا لاکھ مدعی ودعویدار ہوجائے وہ اپنی اخلاقی عظمت، کردار کی سطوت، ایمان وانصاف کی دولت اور عدل کی رفعت سے نیچے نہیں آسکے۔

لہٰذا حق کے داعیوں، حق کا فیصلہ کرنے والوں، حق کے طرفداروں، رکھوالوں اور نگہبانوں کا فرض یہ بھی ہے کہ حق کو اس کے شایان شان کامل ایمان اور انتہائی اتزان کے ساتھ احسن واجمل شکل میں پیش کریں۔ اس جنس گراں مایہ کو عمدہ اور بہترین صورت میں ڈھال کر لوگوں کو نہال کریں کہ اپنے، پرائے، جگری دوست اور جانی دشمن بھی صدیق حمیم اور جانثار وفداکار بن جائیں۔ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ "كَأَنَّهُ وَلِيٌّ" حَمِيمٌ" (حم سجدہ:۳۴) "پھر وہی جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے ایسا ہوجائے گا جیسے دلی دوست"

عالم میں اس وقت کچھ لوگوں کا تیور بدل رہا ہے۔ لیکن جب سب کچھ بدل جائے گا، نفرتوں کی آندھی جب بستیاں اجاڑنے لگے گی اور شیطان انسان کے بھیس میں پورے طور پر آجائے گا تو اس قت اگر آپ کا اسلوب وانداز بدلے گا تو اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا اور ماحول ومعاشرے میں آنے والے بدلاؤ کو کام میں نہ لانے اور اس موقع کو غنیمت نہ جاننے کا غم اور بہترین چانس کے کھوجانے کا الم آپ کو بری طرح سے ستائے گا اور آپ کو محض پچھتاوے اور کف افسوس ملنے

کے کچھ نہ ملے گا بلکہ اس وقت آپ کی نرمی اور بلند اخلاق کریمانہ کو بے رحم دشمن قوم آپ کی کمزوری تصور کرے گی اور آپ کو ذلیل کرے گی۔ رسول اللہ ﷺ کی اگر حدیث اور سنت آپ کو یاد ہے تو غور کیجیے کہ مکہ میں آپ ﷺ کو بخوبی پہچاننے اور آپ کے ہر دلعزیز ہونے کے باوجود اور صادق و امین کہنے کے علی الرغم مخالفتوں اور شدید مقاطعات کا سامنا کیوں کرنا پڑتا۔ شب تاریک میں قندیل ایمانی کو لے کر عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانیہ کی ناہموار وادیوں اور پہاڑوں میں آبلہ پائی نہیں کرنی ہوتی اور انتہائی گھٹیا اور مبنی برظلم معاہدے کی دفعات صلح پر رحمان ورحیم اور رسالت عظیم سے بظاہر دست برداری اور قلم پھیرنے کی نوبت نہیں آتی محض اس امید میں کہ اس کی وجہ سے ہمارے دشمن جانی و ایمانی اور برادران وانسان سے ملنے جلنے کے مواقع میسر آجائیں گے اور اسی موقع کے میسر آنے کی وجہ سے فتح مبین کہا گیا اور فتح وکامرانی کی بشارت الٰہی سے صحابہ کرام سرفراز کردیے گئے۔

لہٰذا اس موقع کو نعمتِ الٰہی اور فرصت سنہری سمجھئے اور پوری ایمانداری اور اخلاقی عظمتوں کے ساتھ حق کی تلقین کیجئے۔ میدان اب بھی آپ کے ہاتھ میں ہے۔ ورنہ

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے بڑا فریضہ اور حق اور کیا ہوسکتا ہے۔ مگر اس کا اسلوب بیان خراب ہو تو یہ معروف بسا اوقات منکر بن جاتا ہے۔ اور منکر کو منکر سے، بدی کو بدی سے اور گندگی کو گندگی سے نہیں دھویا اور دور کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ منکر کو معروف، بھلائی، نرمی، نیکی، پاکیزگی اور اچھائی سے مٹایا اور دفع کیا جاسکتا ہے۔ ''اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ'' (فصلت:۳۴) ''برائی کو بھلائی سے دفع کرو'' میں یہی تعلیم وتزکیہ ہے۔ حق پر ہونے اور سچا اور صادق وامین کہلانے کے باوجود بھی اپنے نفس کو مزکی اور مصفی قرار دے لینا، اپنے نفس کا خود تزکیہ کرنا، اپنے منہ میاں مٹھو بننا اور اپنی تعریف خود کرنا خودستائی کے درجے میں آتا ہے جو کئی ناحیہ سے معیوب ہے اور گویا اپنی تعریف کرنا اور اپنے آپ کو عیب دار بنانا ہے۔ اس لیے حکم الٰہی ہے ''لا تزکوا انفسکم'' خود کے حق پر ہونے کا غرہ اور غرور انسان کو خاک میں ملا دیتا ہے اور کئی طرح سے ناحق کاموں اور گناہوں میں ملوث کردیتا ہے، غرور وتکبر، تعنت یا تعلي کے آثار قول وکردار سے جھلکنے لگتے ہیں یا خود انسان اس کا اظہار دانستہ یا نادانستہ طور پر کرنے لگتا ہے۔ یہ ساری حق باتیں اور اچھے کام برائی کی آماجگاہ بن جاتے اور اچھے نتائج کے بجائے برے اور انتہائی بھیانک نتائج پیدا کرتے ہیں۔ لہٰذا حق پر ہونے پر دل میں اطمینان اور خوشی تشکر آمیز ہو۔ اللہ تعالیٰ کی احسان مندی سے لبریز ہو اور اس حق کے ادا کرنے کی تڑپ اور حرص ہو۔

جہاں تک حدیث نبوی علی صاحبہا الف الف تحیۃ وصلوۃ ''قل الحق ولو كان مرا'' (بتصحیح ابن حبان) کی بات ہے تو یہ سب کو معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ خود رحمۃ للعالمین تھے وہ بھلا کیوں کر اتنی بڑی دولت اور حق کو یوں ہی پیش کرنے کا حکم دیں گے۔ دراصل جہاں حق بات کا کہنا مطلوب وواجب ہے وہیں اس میں یہ اشارہ موجود ہے کہ حق کڑوا ہوتا ہے۔ لہٰذا حق بات کہنے والے کو خوب سوچ سمجھ کر موقع ومحل کے حساب سے بہترین انداز میں حق کا اظہار کرنا چاہئے۔ دنیا کے عظیم خلیفہ ہارون رشید کا واقعہ ہے کہ ایک مولانا صاحب نے ان کو بڑے سخت ودرشت لہجے میں نصیحت کی۔ ہارون رشید نے کہا کہ اے محترم! کیا میں فرعون سے بھی گیا گزرا، بڑا ظالم اور سخت گیر ہوں اور کیا آپ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہا السلام الو العزم نبی سے بھی بزرگ وفضیلت مآب اور صاحب رعب وداب ہیں؟ جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی تھی کہ فرعون کے پاس جاؤ تو اس سے نرم گفتاری کرنا ''فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى'' (طٰہٰ:۴۴) ''اس سے شاید وہ نصیحت پکڑے یا خشیت الٰہی اس کے اندر پیدا ہوجائے۔'' اس میں یہ نکتہ موجود ہے کہ نرم گفتگو اور پیارا اسلوب ہی اس کی ہدایت اور خوف الٰہی کا ذریعہ بن سکتا ہے ورنہ نسلوں کو ختم کرنے والا، ظالم وجابر، مطلق العنان اور ڈکٹیٹر انسان تمہیں مسل ڈالے گا اور اس کو کوئی پرواہ بھی نہ ہوگی نہ اس کا اس کو ادراک ہوگا بلکہ تمہارے بارے میں یہی باور کرائے گا کہ یہ لوگ اجڈ تھے، جاہل تھے، بے ادب تھے، بڑوں سے بات کرنا نہیں جانتے تھے، بدامنی پھیلاتے تھے، دہشت گرد تھے وغیرہ وغیرہ اس لیے غصہ دلانا اور غصہ کرنا ان کو مہنگا پڑنا ہی چاہئے ورنہ فرعون جیسی ظالم شخصیت کے لیے یہ کلام نرم ونازک کیا معنی رکھتا ہے۔ فرعون سے زیادہ نادان کون ہوسکتا تھا؟ پھر بھی اولوالعزم نبی موسی علیہ السلام کو نرم گفتاری کا حکم ہوا۔ لہٰذا ہر جگہ اور ہر موقع پر یہ کہہ کر کہ حق کڑوا ہوتا ہے جیسے چاہیں گرم گفتاری کر گذریں مناسب نہیں، نہ روا ہے۔

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

☆☆☆

حجاج ومعتمرین کا شاہی استقبال اور عالیشان ضیافت
قابل ستائش اقدام اور مثالی کارنامہ

اصغر علی امام مہدی سلفی

مملکت سعودی عرب ایک رفاہی وخدمت انسانیت کی علمبردار اسٹیٹ ہے اور اس کی گراں قدر دینی واسلامی خدمات کے ساتھ ساتھ اس کی متنوع رفاہی وانسانی خدمات قابل ستائش ہے اور ان کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ کتاب وسنت پر اس کی اساس استوار ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے ہر طرح کی سعادتوں اور برکتوں سے سرفراز فرمایا ہے۔ جن سے کیا عربی کیا عجمی، کیا قاصی کیا دانی سب کسی نہ کسی طرح فیضاب ہو رہے ہیں۔ لگتا ہے کہ سارے جہاں کا درد اس کے انسانیت نواز حکمراں وحکام اور خیر پسند خواص وعوام کے دلوں میں بے طرح موجزن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آفات ارضی وسماوی خواہ دنیا کے کسی بھی خطے میں نازل ہوتی ہیں، حوادث وکوارث چاہے عالم کے کسی بھی کونے میں رونما ہوتے ہوں اور ظلم وستم کی داستان خونچکاں جہاں کہیں بھی رقم کی جاتی ہو تو وہ بے چین وبے قرار ہو جاتے ہیں، مارے کرب کے تڑپ اٹھتے ہیں اور سب سے پہلے متاثرین کی اشک سوئی، راحت رسانی اور باز آباد کاری کے لیے آگے بڑھتے ہیں اور انسانیت نوازی کا حق پورے اخلاص اور تندہی کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

مملکت سعودی عرب نے صرف بلاد عربیہ ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں استقرار امن، دہشت گردی کے خاتمہ، بین مذاہب مکالمہ کے قیام اور بین الاقوامی امن واخوت کے قیام کے پیش نظر میثاق مکہ کے اجراء کی صورت میں جو مساعی صرف کی ہیں اس کے لیے ساری دنیا اسے خراج تحسین پیش کر رہی ہے۔

یوں تو مملکت سعودی عرب کی دینی وانسانی خدمات ہمہ جہت، متنوع اور بے نظیر ہیں، لیکن ان میں حرمین شریفین کی خدمت وجاروب کشی، دنیا بھر سے آنے والے کروڑوں حجاج ومعتمرین اور زائرین کا حسن استقبال، عدیم المثال توسیع حرمین شریفین، اماکن حج ومشاعر مقدسہ، امن وشانتی کے ماحول میں بسہولت حج وعمرہ ودیگر عبادات کی ادائیگی کا انتظام، حجاج ومعتمرین کے لیے بہترین علاج ومعالجہ اور موبائل طبی خدمات، نقل وحمل اور مواصلات کا عمدہ سسٹم، نیز ہر سال شاہی خرچ پر ہزاروں کی تعداد میں ممتاز علمی ودعوتی اور سماجی شخصیات کو حج وعمرہ کرانا وغیرہ امور سرفہرست اور آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہ سبھی امور مملکت کے ہمہ جہت دینی، تعلیمی، اقتصادی، سماجی، ثقافتی، رفاہی اور ترقیاتی وژن 30 کا نمایاں حصہ ہیں۔ جن سے اس کی دین پسندی، مسلم نوازی اور انسانیت دوستی کا انداز ہوتا ہے۔

حالیہ موسم حج 2023 میں خادم حرمین شریفین شاہ سلمان بن عبدالعزیز آل سعود حفظہ اللہ وایدہ بنصرہ العزیز کے خرچ پر پوری دنیا سے پانچ ہزار افراد نے حج وزیارت کی سعادت حاصل کی تھی۔ اب ۳/جنوری ۲۰۲۴ء کو جاری شاہی فرمان کے مطابق پوری دنیا سے ایک ہزار منتخب افراد شاہی خرچ پر عمرہ کی سعادت سے سرفراز ہوں گے۔ ان کے شایان شان استقبال کی تیاری مکمل کر لی گئی ہے۔ بلاشبہ مملکت سعودی عرب کا یہ قابل ستائش اقدام ہے۔ اللہ کرے سعودی فرمانروا شاہ سلمان بن عبدالعزیز آل سعود اور ولی عہد شہزادہ محمد بن سلمان بن عبدالعزیز آل سعود حفظہما اللہ ورعاھما کے جود وسخا اور بخشش وعطا کا یہ مبارک سلسلہ اسی طرح دراز ہوتا رہے اور اسی طرح پوری دنیا کے مسلمان اور عامۃ الناس اس سے مستفید ومستفیض ہوتے رہیں۔

حضرت خادم حرمین شریفین شاہ سلمان بن عبدالعزیز آل سعود، ولی عہد شہزادہ محمد بن سلمان آل سعود،، وزیر الشؤون الاسلامیہ معال الشیخ عبداللطیف بن عبدالعزیز آل الشیخ، وزیر الحج معالی الشیخ توفیق بن فوزان الربیعہ، وزیر داخلہ وخارجہ حفظہم اللہ ورعاھم ودیگر وزراء، حکام وانتظامیہ کی مسلسل فکر مندی، معاملہ فہمی، حوصلہ مندی، اخلاص وایثار، اور جہود مبارکہ کا ثمرہ ہے کہ موسم حج کے موقع پر دنیا کا سب سے عظیم اجتماع بحسن وخوبی اختتام تک پہنچتا ہے اور وہاں کی اعلیٰ سہولیات اور حسن انتظام وانصرام اور چوکسی کو دیکھ مختلف اماکن وبلاد سے آنے والے حجاج ومعتمرین اپنی ساری سفری پریشانیاں بھول جاتے ہیں اور امن وشانتی اور اخوت وبھائی چارے کے ماحول میں مناسک حج وعمرہ ادا کر کے حکومت وحکام کو دعائیں دیتے ہوئے وطن مالوف لوٹ جاتے ہیں۔ مقام شکر ومسرت یہ ہے کہ دن بدن حجاج ومعتمرین کی تعداد وسہولیات میں اضافہ ہی ہو رہا ہے اور حج وعمرہ کو آرام دہ اور پُرامن بنانے کے لیے سال بھر مساعی صرف کی جاتی رہتی ہیں۔ یہ کام موسم حج کے اختتام کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے اور حکومتی اور سفارتی سطح پر حج خدمات میں بہتری لانے کی کوششیں تیز ہو جاتی ہیں۔ قابل ذکر ہے کہ اس بار وطن عزیز ہندوستان کو اہمیت دیتے ہوئے مملکت سعودی عرب کے وزیر حج معالی الشیخ توفیق بن فوزان الربیعہ نے ہندوستان کا دورہ کیا اور حج وعمرہ خدمات میں مزید بہتری لانے اور سہولیات فراہم کرنے کے سلسلے میں حکومت کے ذمہ داروں اور مختلف ایجنسیوں سے ملاقاتیں کیں اور تبادلہ خیال فرمایا۔ جس سے مملکت سعودی عرب کی حج وعمرہ خدمات کے حوالے سے حد درجہ سنجیدگی، غایت فکر مندی اور اخلاص کا پتہ چلتا ہے اور ان مساعی سے حج وعمرہ خدمات میں مزید سہولیات، آسانیاں اور نظم ونسق میں بہتری آنے کے خوش آئند توقعات کی جارہی ہیں۔ اسی طرح ہندوستانی وزیر اقلیتی امور کا دورہ سعودی عرب اور جدہ میں منعقد ہوئی حج کانفرنس میں شرکت اسی سلسلہ کی اہم کڑی ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ مملکت سعودی عرب کے ان اقدامات اور کوششوں کی وجہ سے مثبت اور بہترین نتائج سامنے آئیں گے۔ ان شاء اللہ۔

اللہ تعالیٰ مملکت سعودی عرب کی حفاظت فرمائے، ہر طرح کی دن دونی رات چوگنی ترقیات سے نوازے، پوری دنیا میں اس کی امن مساعی کو ثمر آور بنائے، حکمراں وحکام کا قدم قدم پر حامی وناصر ہو، عوام کو فتنوں سے محفوظ رکھے اور ساری دنیا میں اس کا فیض جاری وساری رہے۔ ☆☆

قرآن مجید میں قصوں کی تکرار کی حکمتیں

مطیع الرحمٰن بن فضل الرحمٰن السلفی شنکرپوری

قرآن مجید میں حق تعالیٰ نے دنیائے انسانی کی ہدایت کیلئے جو مختلف معجزانہ اسلوب وبیان اختیار فرمائے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ گذشتہ قوموں کے قصے وواقعات کے ذریعہ ان نیک وبداعمال اوران اعمال کے ثمرات ونتائج کو یاد دلائے اورعبرت وبصیرت کا سامان مہیا کرے اسی لئے وہ تاریخی اسلوب بیان کے درپے نہیں ہوتا، بلکہ ابلاغ حق اور دعوت الی اللہ کے اہم مقصد کے پیش نظر صرف انہی وقائع کوسامنے لاتا ہے جواس غرض وغایت کو پورا کرتے ہوں اوراسی لئے قرآن عزیز میں ان کی تکرار پائی جاتی ہے تاکہ سامعین کے دل میں وہ گھر کرسکیں اورفطری وطبعی رجحانات کوان حقائق کی جانب متوجہ کیا جاسکے، اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ ایک بات کو مختلف پیرائے بیان اور مناسب حال اسلوب نگارش سے بار بار دہرایا جائے اور خوابیدہ قوائے فکر یہ کوپے بہ پے بیدار کیا جائے۔

قرآن مجید کے قصص وواقعات کا سلسلہ بیشتر گذشتہ اقوام اوران کی جانب بھیجے ہوئے پیغمبروں سے وابستہ ہے اور جستہ جستہ بعض واقعات بھی اس ضمن میں آگئے ہیں، اور یہ تمام ترحق وباطل کے مجادلوں اور اولیاء اللہ واولیاء الشیطان کے معرکوں کاایک عبرت آموز اوربصیرت خیز بے مثل ذخیرہ ہے۔

اسلئے اب اصل مضمون کی وضاحت سے قبل قصہ کے معنی ومفہوم کی وضاحت کردینا مناسب سمجھتا ہوں تاکہ صحیح طور پرمضمون کوذہن نشیں کیا جاسکے۔

قصہ کے لغوی معنی ومفہوم:-عربی لغت میں قصہ کا معنی خبر، ذکر، بیان، امراور تتبع کے بتائے گئے ہیں۔(کلمات القرآن :ص:۱۵۱،تالیف:حسنین مخلوق، دارالنشر الکتب الاسلامیہ لاہور،سن ۱۹۷۹ء، المعجم الوسیط ص: ٦٤٧، داراحیاء التراث العربی لبنان۔قصص القرآن فی مواجهة ادب)اس معنی کی تصدیق محمد اسماعیل ابراہیم کے مندرجہ ذیل الفاظ سے ہوتی ہے۔ قصص کے معنی کسی خبر کا بیان کرنا اورقصہ کے معنی طویل نثری حکایت ہےجس کی جمع قصص ہے، اوراللہ تعالی کا فرمان:"وقالت لاخته قصیه"(الروایه والمسرع :تالیف :احمد موسی سالم :ص:٦١، دارالجیل بیروت)موسی علیہ السلام کی والدہ نے اس کی بہن سے کہا کہ تواس کے پیچھے پیچھے جالیعنی اس کے صندوق کا پیچھا کرنا کہ اس کی خبروں سے واقفیت حاصل کر سکےاور باری تعالی کا قول:فَارْتَدَّا عَلَىٰ آثَارِهِمَا قَصَصًا (سورۃ الکہف:٦٤) پھرالٹے پھرے اپنے پیروں کے نشان پہچانتے یعنی وہ دونوں اپنے پیروں کے نشان پہچانتے ہی واپس لوٹے اسی راستے سے جس سے وہ آئے تھے۔

(عجم الالفاظ والاعلام القرآنية :ص:٢٧٤۔تالیف:محمد اسماعيل ابراهيم، دارالفكرالعربی القاهره۔مقالات الحافظ قرآنيات)

قصص قرآن کے اغراض ومقاصد:-جس طرح مختلف تشبیہات وتمثیلات میں قرآن کریم اپنے فنی بیان کے ذریعے انسانی وجدان کومتحرک کرکے اس میں دینی روح پیوست کرنے کی سعی کرتا ہے ٹھیک اسی طرح قصہ بیانی سے بھی مندرجہ ذیل حقائق کا ادراک کیا جاسکتا ہے۔

(۱)اثبات وحی ورسالت :آنحضرت نہ کوئی نثرنگار تھے نہ شاعر، نہ کسی تاریخ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ اس زمانہ کے یہودی اورنصرانی علماء کی مجلسوں میں کبھی شریک ہوئے ہوں، ایسی صورت میں آپ کی زبان مبارک سے انبیاء سابقین اور قدیم اقوام کے مکمل حالات کا بیان کیا جانا اس بات کی بین دلیل ہے کہ وہ تمام ترمعلومات آپ کو وحی الہی کے ذریعہ حاصل ہوتی تھی کیونکہ آپ رسول برحق تھے، جیسا کہ قرآن پاک کاارشاد ہے:نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَٰذَا الْقُرْآنَ وَإِن كُنتَ مِن قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ ۔(سورہ یوسف:۳) ترجمہ: ہم آپ کے سامنے بہترین بیان پیش کرتے ہیں اس وجہ سے کہ ہم نے آپ کے جانب یہ قرآن وحی کے ذریعہ نازل کیا اور یقیناً آپ اس سے پہلے بے خبروں میں سے تھے۔(جوناگڑھی) دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے:ذَٰلِكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ۔(سورہ آل عمران:٤٤) ترجمہ: یہ غائب کی خبروں میں سے ہے جسے ہم تیری طرف وحی سے پہنچاتے ہیں، تو ان کے پاس نہ تھا جبکہ وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ مریم کو ان میں سے کون پالیگا؟ اور نہ تو ان کے جھگڑنے کے وقت ان کے پاس تھا۔(جوناگڑھی)

(۲)وحدت ادیان: قرآن میں قصہ گوئی کا ایک مقصد اس حقیقت کا کشف واظہار بھی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے لیکر حضرت محمد ﷺ تک جملہ ادیان وشرائع من جانب اللہ ہیں، تمام اہل ایمان امت واحدہ ہیں اور خدائے واحد سب کا

پروردگار ہے۔قرآن میں بعض جگہ ایک ہی سورت میں متعدد انبیاء علیہم السلام کے واقعات بطریق خاص اس حقیقت کے اظہار کے لئے بیان کئے گئے ہیں۔چونکہ وحدت ادیان کا ذکر دعوت اسلام کی اساسی غرض وغایت ہے۔اس لئے انبیاء علیہم السلام کے قصص وواقعات باختلاف الفاظ وعبارت وتکرار واعادہ قرآن میں بار بار کئے گئے ہیں تاکہ اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کرادیا جائے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ۔(سورہ انبیاء:۴۸) ترجمہ یہ بالکل سچ ہے کہ ہم نے موسیٰ وہارون کو فیصلے کرنے والی نورانی اور پرہیزگاروں کے لئے وعظ ونصیحت والی کتاب عطاء فرمائی ہے۔(جوناگڑھی) دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ (سورہ انبیاء:۵۱تا۵۲) ترجمہ: یقیناً ہم نے اس سے پہلے ابراہیم کو اس کی سمجھ بوجھ بخشی تھی اور ہم اس کے احوال سے بخوبی واقف تھے۔جبکہ اس نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ مورتیاں جن کے تم مجاور بنے بیٹھے ہوکیا ہیں؟(جوناگڑھی)۔

(۳) انبیاء علیہم السلام کے طریق دعوت کا یکساں ہونا:-قران میں قصص و واقعات ذکر کرنے کا ایک مقصد اس امر کا کشف واظہار بھی ہے کہ تمام انبیاء کا طریق دعوت وارشاد ایک ہی ہے۔اسی طرح ان کی قوموں کی طرف سے ان کا جور دعمل ہوا وہ بھی یکساں نوعیت کا ہے۔علاوہ ازیں جملہ ادیان سماوی من جانب اللہ ہیں اور ایک ہی اساس پر مبنی ہیں،اس کے زیر اثر انبیاء کے واقعات اکٹھا آتے ہیں اور ان کے طریق دعوت کو بتکرار واعادہ بیان کیا جاتا ہے۔

(۴) ادیان کے مابین مشترک:-قصص قرآن کی ایک غرض یہ ثابت کرنا ہے کہ دین محمدی اور دین ابراہیمی کی اصل مشترک تو ہے ہی دیگر ادیان بنی اسرائیل بھی غرض وغایت کے لحاظ سے دین ابراہیمی سے جدا نہیں ہے۔صرف واقعات میں اختلاف ہے چنانچہ آنحضرتؐ کے خطاب میں اس طرح کے ارشاد ملتے ہیں۔(تیسیر المنان فی قصص القرآن:ص:۵۱،جمع وترتیب:احمد خرید،الناشر:دار ابن الجوزی للنشر والتوزیع المملکۃ العربیۃ السعودیۃ،الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۱۱ھ ۱۹۹۰م)

(۵) انبیاء علیہم السلام کی کامیابی اور مکذبین کی تباہی وہلاکت:قصص قرآنی سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ تمام انبیاء کو دشواریوں اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا مگر اخیر میں وہ نصرت خداوندی سے سرفراز کئے گئے اور جھٹلانے والی قوم عذاب میں مبتلا ہوئی،اور تمام واقعات نبی اکرم کی ثابت قدمی اور استحکام کے لئے سنائے گئے ارشاد خداوندی ہے: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (سورہ عنکبوت:۱۴تا۱۵) وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ (سورہ ھود:۱۲۰) ترجمہ: رسولوں کے سب احوال ہم آپ کے سامنے آپ کے دل کی تسکین کے لئے بیان فرمارہے ہیں، آپ کے پاس اس سورت میں بھی حق پہنچ چکا جو نصیحت ووعظ ہے مومنوں کے لئے۔(جوناگڑھی) مذکورہ بالا اغراض ومقاصد کا شمار کوئی حتمی نہیں ہے غور وفکر کی راہیں کبھی مسدود نہیں کی جاسکتیں۔(تیسیر المنان فی قصص القرآن :ص:۵۱،جمع وترتیب:احمدفرید، الناشر:دارابن الجوزی للنشروالتوزیع المملکۃ العربیۃ السعودیۃ ، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۱۱ھ ۱۹۹۰م)

قرآن مجید کے قصوں کی نوعیت: قرآن مجید میں تین طرح کے قصے بیان کئے گئے ہیں (۱) انبیاء کرام کے قصے: اس میں ان کے اپنی قوم کو دعوت دینا اور وہ معجزات جن کے ذریعہ اللہ نے ان کی تائید کی، اور ان کے ساتھ معاندین کے موقف، دعوت کے مراحل اور ان کے حالات، مومنین ومکذبین کے انجام شامل ہیں۔(۲) ایسے قصے جو حادثات اور ایسے اشخاص سے تعلق رکھتے ہیں جن کی نبوت کا ثبوت نہ ہو جیسے طالوت وجالوت، آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹے، اصحاب کہف، ذوالقرنین، قارون، اصحاب اخدود وغیرہ کے قصے شامل ہیں۔(۳) ایسے قصے وحادثات جو آپ کے عہد مبارک میں رونما ہوئے ہوں جیسے غزوہ بدر، غزوہ احد کا تذکرہ آل عمران میں اور غزوہ حنین وتبوک کا سورہ توبہ میں اور غزوہ احزاب کا سورہ احزاب میں اور اسی طرح ہجرت اور اسراء ومعراج کا واقعہ مذکور ہیں۔(مباحث فی علوم القرآن :ص:۶۰۳، تالیف: مناع القطان، مکتبۃ المعارف الریاض)

تکرار قصص کی حکمتیں:- قرآن کریم کے اندر قصص، مباحث اور مضامین بکثرت مکرر وارد ہوئے ہیں، کتنے ہی احکام و ہدایت، وعید و بشارتیں، تنبیہیں و نصیحتیں، دلائل وشواہد اور تاریخی واقعات ایسے ہیں جو بار بار بیان کیے گئے ہیں، جیسا کہ قرآن خود شاہد ہے: اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ (سورہ زمر:۳۲) ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے جو ایک ایسی کتاب ہے جس کے مضامین آپس میں ملتی جلتی اور بار بار دہرائے ہوئے ہیں'' یعنی جس میں قصص وہ واقعات اور مواعظ واحکام کو بار بار دہرایا گیا ہے۔بظاہر یہ کوئی پسندیدہ بات نہیں ہے اور ایک ناواقف انسان کے ذوق پر قصص ومضامین کی یہ تکرار بہت گراں گزرے گی لیکن قران حکیم کے طریق نزول ومقصد نزول دونوں ہی امور کا قطعی تقاضا تھا کہ یہ مضامین اسی طرح بار بار دہرایا جائے لیکن تکرار کے لفظ سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ ایک ہی بات کو لفظا ومعنا جوں کا توں جگہ جگہ دہرایا گیا ہے۔نہیں ایسا بالکل نہیں ہے قران حکیم میں اس کے باوجود کہ ایک ہی قصے ایک ہی حکم اور ایک ہی

استدلال کو دسیوں وبیسیوں مقامات پر بیان کیا گیا ہے لیکن تکرار محض کہیں بھی نہیں ہے۔کیونکہ ہر مقام پر تذکیر وتفہیم کا کوئی نہ کوئی نیا پہلو پیدا کر دیتا ہے مثلا ایک ہی قصے کو اجمال وتفصیل کے مختلف حدود میں بیان کرتا ہے واقعات کی ترتیب اور بیان کے طرز میں تنوع پیدا کر دیتا ہے الفاظ کو بدل دیتا ہے قصے کے مختلف اجزاء میں سے کسی کو کہیں اور کسی کو کہیں حذف کر دیتا ہے۔ان باتوں سے جہاں یہ فائدہ ہوتا ہے کہ ایک ہی بات کو ایک ہی عبارت اور ایک ہی اسلوب میں سنتے سنتے طبیعتوں میں ناگواری محسوس نہیں ہوتی،وہاں اس سے بڑا فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ تذکیر یا استدلال کے پہلو بدل جاتے ہیں اور حکمت الہی کے کچھ نئے گوشے نمایاں ہو جاتے ہیں،جس سے سننے سمجھنے والوں پر ہر بار ایک نیا اثر مرتب ہوتا ہے۔اس طرح قصوں کی یہ تکرار،تکرار ہے بھی اور نہیں بھی۔اسی طرح احکام کی تکرار،دلائل کی تکرار،نصائح اور دوسرے مضامین کو بھی قیاس کر لیجئے۔یہاں صرف یہی نہیں کہ ایک ایک مضمون کو سو سو رنگ سے باندھا گیا ہے بلکہ ان میں سو سو حکمتیں اور دعوتی افادتیں میں بھی سمودی ہیں۔(تلخیص از قرآن مجید کا تعارف :ص:۹۷ تا ۹۹، تالیف:مولانا صدرالدین اصلاحی ،ناشر:مرکزی مکتبہ اسلامی ۱۳۵۳ چتلی قبر دہلی ۶ طبع سوم سن ۱۹۹۵ء)

جسٹس مفتی تقی عثمانی صاحب تکرار قصص کی حکمتوں کے سلسلے میں رقم طراز ہیں:

(۱) قرآن دفعتاً ایک مرتبہ نازل نہیں ہوا، بلکہ تدریجاً نازل ہوا ہے اور اس امت کے لیے نازل ہوا ہے جسے اپنے ابتدائی دور میں قدم قدم پر نت نئی آزمائشوں اور بے شمار تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا ہے،....ایسی صورت میں اگر انہیں بار بار تسلی نہ دی جائے نہ دی جاتی تو وہ دل شکستہ ہو بیٹھتے،چنانچہ قرآن کریم نے ہر اس موقع پر پچھلے انبیاء کے واقعات سنائے جہاں مسلمانوں کو دشواریاں پیش آئیں اور بار بار انہیں یہ بتلایا کہ ان آزمائشوں میں تم تنہا نہیں ہو، بلکہ دعوت حق کا ہر قافلہ ان کٹھن وادیوں سے گزرا ہے اور انجام کار ہمیشہ کامیابی وہ کامرانی نے اس کے قدم چومے ہیں،یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات ایک نبی کا واقعہ بھی قرآن کریم میں یک جا نہیں ہوتا بلکہ اس کے منفرق حصے مختلف مقامات پر مذکور ہیں جس موقعہ پر جس پیغمبر کے جس واقعہ کی ضرورت ہوئی اس موقع پر اسی کو نازل فرمایا گیا۔(علوم القرآن :ص:۳۱۶،تالیف جسٹس مفتی تقی عثمانی،ناشر:دارالکتاب دیوبند)

(۱) دوسری حکمت یہ ہے کہ قصوں کے اس تکرار سے یہ بات واضح انداز میں معلوم ہوتی ہے کہ قرآن حکیم جزئیات احکام بیان کرنے کے لیے نازل نہیں ہوا،وہ احکام کے صرف اصول بیان فرماتا ہے،اور اس کا بنیادی مقصد عقائد کی اصلاح،تذکیر اور خوش کرداری پر ابھارنا ہے،رہے قانون وجزئیات سو وہ اس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتشریح پر چھوڑ دیے ہیں،اور انہیں وہ وحی غیر متلو کے ذریعہ دنیا تک پہنچانا چاہتا ہے،قرآن کریم کا یہ طرز عمل "حجت حدیث" پر ایک بڑی واضح دلیل ہے،چونکہ اگر فقہ وقانون میں صرف قرآن حجت ہوتا اور احادیث حجت نہ ہوتیں،تو قرآن کریم میں بار بار قصے بیان کرنے کے بجائے احکام بیان فرمائے جاتے اور قصوں کو وحی غیر متلو کے ذریعہ بیان فرما دیا جاتا،ظاہر ہے کہ قصے بیان کرنے سے جو مقصد ہے وہ اس طرح بھی بدرجہ اتم پورا ہو جاتا مگر باری تعالی نے اس کے برعکس ترتیب رکھ کر گویا اس بات پر تنبیہ فرمادی ہے کہ قرآن عقائد واختلاف کی تربیت کے لیے آیا ہے،اور صرف اصول احکام بیان فرماتا ہے۔

(۳) قصوں کے مکرر ہونے میں ایک تیسری حکمت یہ بھی ہے کہ اس سے اعجاز قرآنی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔انسان کی نفسیات کا تقاضا ہے کہ وہ ایک ہی بات کو بار بار سنتے رہنے سے اکتا جاتی ہے،اور چند مرتبہ کے بعد ایک اچھے خاصے واقعے کو بار بار ذکر فرماتا ہے مگر اسی پر نئی لذت اور ہر مرتبہ نیا کیف محسوس ہوتا ہے یہ بات انسان کو بے ساختہ اس نتیجے تک پہنچنے پر مجبور کر دیتی ہے کہ یہ کلام یقیناً کسی بشری دماغ کا جنم دیا ہوا نہیں ہے۔(تلخیص از علوم القرآن :ص:۳۱۶ تا ۳۱۸،تالیف :جسٹس مفتی تقی عثمانی،ناشر:دارالکتاب دیوبند)

استاد مناع القطان لکھتے ہیں کہ(۱) اللہ تعالی نے قرآن مجید کے اندر قصوں کو مقرر اس لیے بیان فرمایا تا کہ اس کے ذریعے قرآن کے اعلی بلاغ مراتب کو ظاہر کر دے اور بلاغت کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ایک ہی معنی کو مختلف صورتوں میں بیان کیا جائے اور وہ قصے جو قرآن کریم سے مقرر آئے ہیں وہ ہر جگہ الگ الگ منفرد اسلوب میں وارد ہوئے ہیں جس کے تکرار سے آدمی اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا ہے بلکہ ہر جگہ اس کو اپنے لیے معنی حاصل ہوتے ہیں جو دوسری جگہوں میں پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتے۔

(۲) مقرر قصے کو لا کر قوت اعجاز کو بیان کیا گیا ہے: یعنی ایک ہی معنی کو متعدد شکلوں اور صورتوں میں پیش کرنا یہ چیلنج کرنے کا ایک بلیغ ذریعہ وطریقہ ہے اسی وجہ سے اہل عرب قرآن کریم جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز آ گئے تھے۔

(۳) لوگوں کے دلوں میں عبرت وموعظت کو جاگزیں کرنے کی غرض سے قصوں اور واقعات کو مکرر ذکر کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے،اس لیے کہ تکرار کسی چیز کے مؤکد اور مہتم بالشان ہونے کی علامت ہے جیسا کہ موسی علیہ السلام اور فرعون کے قصے کو مختلف پیرایوں میں بیان کیا گیا ہے کیونکہ یہ قصہ حق وباطل کے درمیان معرکہ آرائی کو بہترین شکل میں پیش کرتا ہے۔(مباحث فی علوم القرآن :ص:۳۰۷ تا ۳۰۸،تیسیر المنان فی قصص القرآن)

قصص قرآنی کے تکرار کی حکمت یہ بھی ہے کہ بعض معانی کو ذہنوں میں مختلف شکلوں اور بیانوں سے واضح وجاگزیں کر دیا جائے،اسی طرح اس کی ایک حکمت کلام میں تفنن اور مہارت کو اجاگر کرنا بھی ہے تاکہ قرآن کا اعجاز ظاہر ہو سکے اور اس کی

متابعت اور تقلید سے بشری طاقت کی بے بضاعتی ثابت ہو سکے، اسی وجہ سے قرآن کریم میں ایک ہی بات کو حرفاً حرفاً مقرر بیان نہیں کیا گیا ہے اور نہ ہی ایک ہی اسلوب میں قصوں کو مقرر بیان کیا گیا ہے۔(قاموس القرآن الكريم المدخل:ص:۱۲۴،اعداد:نخب من العلماء والباحثين،الناشر:مؤسس الكويت للقدم العلى الكويت،الطبعة الثانية ۱۹۹۷ء)

قصوں کے تکرار کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ جس طرح ایک دلیل مختلف دعووں پر اثر ڈالتی ہے اسی طرح ایک قصہ سے مختلف ومتعدد نتائج مستنبط ہوتے ہیں اور متعدد قوموں پر ان سے استشہاد پیش کیا جاتا ہے اس لیے ان قصوں کے اعادہ سے ہر جگہ مختلف نتائج پیدا ہوتے ہیں مثال کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بار بار اور بکثرت آیا ہے مگر گہرائی سے غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر جگہ نئے نتیجہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اس قصہ پر تدبر کرنے والوں پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ کہیں اظہار قدرت کے موقع پر اس قصہ کو بیان کیا گیا ہے تو کہیں نافرمان وناعاقبت اندیش قوموں کی ہلاکت پر استشہاد کیا گیا تو کہیں اس سے بنی اسرائیل کی شرارت اور کفران نعمت ثابت کیا گیا، کسی مقام پر اس قصہ کے ذریعہ سچے نبی اور جھوٹے لوگوں میں فرق بتایا گیا تو کسی مقام پر ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ کے احسان عظیم کا اظہار کیا گیا ،کسی جگہ اس قصہ سے فرعون کے کفر، غرور، تکبر، گھمنڈ اور نخوت کا تذکرہ مقصود ہے تو کہیں اس سے انسان کی فطری کمزوری کا اظہار ملحوظ ہے، اگر ان حقائق کو ملحوظ رکھے بغیر ہم آپ قرآن کا مطالعہ کریں گے تو اس قصہ کا تکرار بے محل ہونے کی تشویش اور قابل افسوس احساس پیدا ہوگا اور اس کے تکرار کی حکمت وافادیت سے محرومی ہی ہوگی۔(مجلّہ صوت الحق:ص:۱۱،جولائی ۲۰۰۳ء)

اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ سے اللہ کے احسانات، انسان کی کمزوری، نفس امارہ کی شرارت پسندی، نوع انسانی کی عظمت اور غرور کی مذمت انہیں مختلف باتوں اور حکمتوں پر استدلال مقصود ہے۔غرض یہ ہے کہ آپ اس سے یہ نتیجہ بآسانی نکال سکتے ہیں کہ صرف ایک قصہ سے کس قدر مختلف ومتنوع ونتائج پیدا ہو سکتے ہیں، قرآن میں ایک ہی قصہ بار بار آتا ہے تو دراصل ہر جگہ اس سے جدید نتیجہ کی طرف اشارہ اور جدید حکمت کی نشاندہی مقصود ہوتی ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ قصوں کا تکرار بے فائدہ نہیں ہے جیسا کہ بعض معاندین وحاسدین کا اعتراض ہے۔

آخر میں اللہ رب العالمین سے دست بدعا ہوں کہ اے اللہ تو ہم تمام مسلمانوں کو قرآن مجید کے صحیح معنی ومفاہیم کو سمجھنے اور اس پر مکمل طور پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرما نیز معترضین قرآن کریم ودشمنان اسلام کا دنداں شکن جواب دینے کے لیے ہمارے بازوئے علم کو ہر طرح کے فنون سے مسلح کردے۔آمین

☆☆☆

شرائط حصول تصدیق نامہ

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

(۱) وہ طلباء جو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے بیرونی جامعات میں داخلے کے خواہش مند ہوں اور انہیں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا توصیہ مطلوب ہو وہ درخواست بنام امیر/ ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، تعلیمی اسناد کی مصدقہ فوٹو کاپی دو اساتذہ کا تزکیہ اور صوبائی جمعیت کے امیر/ ناظم کا تزکیہ دفتر میں جمع کریں۔ مذکورہ معلومات وکاغذات کی روشنی میں غور کرنے کے بعد ہی توصیہ جاری کیا جائے گا۔

(۲) وہ ذمہ داران معاہد ومدارس وجامعات جنہیں حصول تعاون کے لیے مرکزی جمعیت کا توصیہ یا اس کی تجدید مطلوب ہو، درج ذیل شرائط کی تکمیل کے بعد توصیہ حاصل کرسکتے ہیں:

(الف) ادارے کے لیٹر ہیڈ پر توصیہ کے لیے ذمہ دار ادارہ کی جانب سے اصل درخواست بنام امیر/ ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند۔

(ب) متعلقہ صوبائی جمعیت کے امیر/ ناظم کا، امیر/ ناظم عمومی مرکزی جمعیت کے نام سفارشی خط یا نئی تصدیق جس میں معیار تعلیم، تعداد طلبہ واساتذہ مذکور ہو۔

(ج) جمعیت کے شعبۂ احصائیات برائے مدارس میں اندراج۔

(د) جمعیت کے آرگن پندرہ روزہ ''جریدہ ترجمان'' (اُردو) ، ماہنامہ ''اصلاح سماج'' (ہندی) ، نیز ماہنامہ ''دی سمپل ٹروتھ'' (انگریزی) کا ادارہ کے نام اجراء اور قدیم خریدار ہونے کی صورت میں اس کے بقایاجات کی ادائیگی۔

(۳) علاوہ ازیں مرکزی جمعیت کی جانب سے سفارشی خطوط حاصل کرنے کے لیے ذمہ داران صوبائی وضلعی جمعیات ومعروف علماء کرام کی نئی تصدیقات کا پیش کیا جانا لازمی ہے۔ درخواست دہندہ اپنے دستخط کے ساتھ نام اور عہدہ صاف صاف لکھیں۔ کسی بھی قدیم تصدیق کی تجدید یا اس میں حذف واضافہ کے لیے صوبائی جمعیت سے حاصل شدہ نئی اصل تصدیق کا پیش کیا جانا ضروری ہے بصورت دیگر کوئی بھی عذر مقبول نہ ہوگا۔

نوٹ: جو حضرات مرکزی جمعیت کی تصدیق کے خواہاں ہوں وہ کسی بھی قسم کی زحمت سے بچنے کے لئے رمضان سے قبل تصدیق حاصل کرلیں اور بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے رجسٹری ڈاک خرچ نقد نیز جریدہ ترجمان، اصلاح سماج ودی سمپل ٹروتھ کے بقایاجات کی رسید کی فوٹو کاپی ارسال کرنا نہ بھولیں۔

دفتر نظامت عامہ: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

آصف تنویر تیمی، جامعہ امام ابن تیمیہ، بہار

جمعہ سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت

اور اس دن کی چند اہم خصوصیات

(امام ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ کی مشہور تصنیف زاد المعاد کی روشنی میں)

جمعہ کے خصائص و مسائل سے متعلق جن کتابوں کا مطالعہ علماء، طلبہ اور عام پڑھے لکھے لوگوں کے لئے مفید ہوسکتا ہے ان میں سے ایک اہم کتاب امام ابن القیم جوزیہ رحمہ اللہ کی "زاد المعاد فی ھدی خیر العباد" ہے۔ ویسے یہ کتاب سیرت کے موضوع پر ہے جیسا کہ کتاب کے نام سے واضح ہے تاہم دیگر موضوعات کی طرح امام ابن القیمؒ نے بڑے اچھوتے انداز میں جمعہ کی فضیلت اور اس کے خصائص کے حوالے سے گفتگو کی ہے۔ عربی زبان سے واقفیت رکھنے والے ہر شخص کو اصل کتاب کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ سیرت کے موضوع پر عربی زبان میں یہ منفرد اور ممتاز علمی سرمایہ ہے۔ امام ابن القیم نے یہ کتاب دوران سفر لکھی ہے مگر کتاب دلائل و براہین سے آراستہ اور اپنے موضوع پر موسوعہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

الگ الگ مکتبات سے کتاب مختلف جلدوں میں طبع ہوئی ہے۔ یہ کتاب پانچ اور چھ جلدوں میں دنیا کی لائبریریوں میں موجود ہے۔ مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں۔ میرے پاس "مؤسسة الرسالة" بیروت، لبنان کا طبع شدہ نسخہ موجود ہے جو پانچ جلدوں میں ہے۔ اس کی پہلی جلد کے صفحہ نمبر 353 سے صفحہ نمبر 439 تک جمعہ کے جملہ مسائل واحکام سے متعلق بڑی جامع گفتگو موجود ہے۔

سب سے پہلے امام ابن القیمؒ نے صفحہ نمبر 353 سے صفحہ نمبر 361 تک جمعہ کے فضائل سے متعلق احادیث درج کی ہیں۔ جمعہ کی فضیلت سے متعلق احادیث میں صحیحین، صحیح مسلم، مسند احمد، متدرک حاکم، مؤطا امام امالک، صحیح ابن حبان، مسند الشافعی اور بعض دیگر کتابوں کی حدیثیں ہیں۔ ان حدیثوں میں سے بعض سند کے اعتبار سے ضعیف بھی ہیں، جیسا کہ کتاب کے محقق علامہ شعیب ارناووط اور علامہ عبد القادر ارناووط رحمہما اللہ نے اشارہ کیا ہے۔

ان حدیثوں پر سرسری نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امت مسلمہ اگر چہ وجود کے لحاظ سے سب سے اخیر میں دنیا کے اندر پیدا کی گئی، مگر اخروی لحاظ سے اس کو دیگر امتوں پر سبقت حاصل ہے۔ یہود ونصاری پر بھی جمعہ کا دن مقرر کیا گیا تھا مگر وہ آپسی اختلاف کے شکار ہو گئے جس کے نتیجے میں وہ جمعہ کی فضیلت سے محروم رہے اور پھر یہ فضیلت اللہ تعالی نے امت مسلمہ کو عطا فرمادی۔

دنوں میں افضل دن جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اسی دن ان کی موت ہوئی۔ اسی دن قیامت کا صور پھونکا جائے گا۔ اس دن درود شریف پڑھنے کا خاص حکم دیا گیا ہے۔ جمعہ کو دنوں کا سردار ہونے کا شرف حاصل ہے۔ جمعہ کے دن کے آخری پہر میں ایک ایسا لمحہ ہے جس میں اگر کوئی دعا کرتا ہے تو اس کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ جمعہ کے دن کو عرش معلی پر یوم المزید سے پکارا جاتا ہے۔

صفحہ نمبر 361-363 پر اسلام میں آغاز جمعہ کے حوالے سے گفتگو کی گئی ہے اور عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث کی روشنی میں بتلایا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت کرنے سے قبل ابوامامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں بنی بیاضہ میں سب سے قبل جمعہ کی نماز پڑھائی۔ اس وقت جمعہ پڑھنے والے چالیس صحابہ کرام تھے۔ اس کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد مدینہ تشریف لائے تو قبا میں بنی عمرو بن عوف میں چند دنوں تک قیام پذیر رہے۔ انہیں دنوں میں مسجد (قبا) کی تعمیر فرمائی۔ جمعہ کے دن قبا سے نکلے تو بنی سالم بن عوف میں جمعہ کا وقت ہو گیا۔ وہیں آپ نے جمعہ کی نماز پڑھی جو آپ کی مدینہ میں پہلی جمعہ کی نماز تھی اور یہ مسجد نبوی کی تعمیر سے قبل کا واقعہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے اپنے اس پہلے جمعہ میں جو تقریر فرمائی تھی اس کو بھی امام ابن القیمؒ نے سیرت ابن اسحاق کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ دراصل اس خطبہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حمد وثناء کے بعد مسلمانوں کو اپنے اندر فکر آخرت پیدا کرنے، جنت کی تڑپ اور جہنم کا خوف پیدا کرنے کے ساتھ ہی صدقہ وخیرات پر ابھارا تھا۔ خطبہ مختصر مگر بڑا جامع تھا۔ امام ابن القیمؒ نے اس طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن دو خطبہ دیا جیسا کہ آج اہل حدیث مساجد میں دیا جاتا ہے۔

صفحہ نمبر 363 سے صفحہ نمبر 411 تک امام ابن القیم نے جمعہ کے 33 (تینتیس) خصائص کتاب وسنت کی روشنی میں نقل کئے ہیں، ذیل کی سطور میں ان خصائص کی طرف محض اشارہ کیا جارہا ہے:

(1) آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن (نماز) فجر میں سورہ (الم تنزیل) اور سورہ (ھل أتی علی الإنسان) کی تلاوت فرماتے تھے۔ (2) جمعہ کی رات اور دن میں کثرت سے درود شریف پڑھنا سنت ہے۔ (3) جمعہ کی نماز فرائض اسلام میں سے اہم ترین فریضہ ہے، جو سستی کی وجہ سے اس کو ترک کر دیتا ہے اللہ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ (4) جمعہ کے دن غسل کرنے کا تاکیدی طور پر حکم دیا گیا ہے بلکہ اس کی اہمیت وتر سے بھی زیادہ ہے۔ (5) جمعہ کے دن خوشبو استعمال کرنا مسنون

ہے۔(6)جمعہ کے دن مسواک کرنا مستحب ہے۔(7)صبح سویرے جمعہ کی ادائیگی کے لئے مسجد جانا۔(8)مسجد میں خطبہ شروع ہونے تک نفلی نماز، دعا اور تلاوت قرآن میں مشغول رہنا سنت ہے۔(9)خطبہ شروع ہونے کے بعد خاموش رہنا۔(10)جمعہ کے دن سورہ کہف کی تلاوت کرنا۔اس سورت کی تلاوت کی بڑی فضیلت ہے۔پڑھنے والے کے قدم سے نور پھوٹتا ہے جو آسمان کی اونچائی تک پہنچتا ہے، یہ نور اپنے پڑھنے والے کے لئے قیامت میں روشنی کا کام کرے گا، نیز اس کی تلاوت کی وجہ سے دونوں جمعہ کے درمیان سرزد ہونے والے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔(11)جمعہ کے دن زوال کے وقت بھی نماز (نوافل) پڑھی جاسکتی ہے۔ویسے یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے، علماء کے اقوال کی روشنی میں امام ابن القیم نے اس کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔(12)صلاۃ جمعہ میں (سورۃ الجمعۃ) اور (المنافقون)، یا سورہ (سبح والغاشیۃ) کی تلاوت مسنون ہے۔(13)جمعہ کا دن ہر ہفتہ آنے والا عید کا دن ہے۔(14)جمعہ کے دن حتی الوسع اچھا لباس پہننا مستحب ہے۔(15)جمعہ کے دن مسجد میں خوشبو دینا مسنون ہے۔(16)جمعہ کا وقت ہوجانے کے بعد ان لوگوں کے لئے جمعہ پڑھے بغیر سفر کرنا جائز نہیں ہے جن پر جمعہ لازم ہے۔جمعہ کا وقت ہونے سے قبل سفر کے جواز سے متعلق اہل علم کے آراء مختلف ہیں جن کو اس کتاب میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔(17)جمعہ کے لئے پیدل مسجد جانے والوں کے ہر قدم کے بدلے ایک سال روزہ رکھنے اور قیام اللیل کرنے والے کے برابر ثواب ملتا ہے۔(18)جمعہ کی وجہ سے صغیرہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔(19)جہنم کو سوائے جمعہ کے ہر دن سلگایا جاتا ہے۔(20)جمعہ کے دن ایک گھڑی دعا کی قبولیت کی ہے۔اس وقت جو شخص بھی خیر وبھلائی کی دعا کرتا ہے اس کی دعا مقبول ہوتی ہے۔امام ابن القیمؒ نے اس نقطہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور اس چیز کو واضح کیا ہے کہ جمعہ کے دن یہ گھڑی باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گی اور یہ گھڑی جمعہ کے دن عصر کے بعد کی ہوتی ہے۔(21)اس دن جمعہ کی نماز ہے اور اس نماز کے وہ خصائص ہیں جو دیگر اجتماعات کے نہیں ہیں۔اور اس بات پر علماء کرام کا اجماع ہے کہ جمعہ کی نماز فرض عین ہے سوائے امام شافعی رحمہ اللہ کے وہ جمعہ کی نماز کو فرض کفایہ قرار دیتے ہیں واضح رہے کہ ان کی طرف اس قول کی نسبت غلط ہے۔(22)جمعہ کے دن خطبہ دیا جاتا ہے جس میں اللہ کی حمد وثناء، اس کی وحدانیت کی گواہی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار، اور بندوں کو پند ونصیحت کی جاتی ہے۔(23)جمعہ کے دن اپنے آپ کو عبادت کے لئے خالی رکھنا مستحب ہے۔(24)جمعہ کے لئے جلدی اور سویرے مسجد جانا افضل ہے۔اور پہلے جانے والوں کو ایک اونٹنی کے صدقہ کے برابر نیکی ملتی ہے۔یہاں پر امام ابن قیم الجوزیہؒ نے حدیث میں وارد پہلی گھڑی، دوسری گھڑی اور تیسری گھڑی کی تعیین وتحدید سے متعلق اہل علم کے اقوال کو دلائل ولغتِ عربی کی روشنی میں تفصیل سے بیان کیا ہے، اور اس بات کو راجح قرار دیا ہے کہ پہلی گھڑی سے مراد دن کا اول حصہ ہے۔(25)دیگر ایام کے بالمقابل جمعہ کے دن صدقات وخیرات کی خصوصی فضیلت ہے۔(26)اس دن اللہ تعالی جنت میں اولیاء مومنین کے لئے اپنی تجلی فرماتا ہے۔(اور اسی کو قرآن مجید میں ذکر *ولدینا مزید* سے مراد لیا گیا ہے۔اس موضوع کو بھی امام ابن القیمؒ نے قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے۔(27)جمعہ کے دن کو حدیث میں (یوم شاھد) سے تعبیر کیا گیا ہے۔(28)جمعہ کے دن آسمان، زمین، پہاڑ، سمندر اور تمام مخلوقات لرزتے ہیں سوائے انسان وجنات کے۔(29)جمعہ کے دن کو اللہ تعالی نے اس امت کے لئے ذخیرہ کر رکھا تھا۔(30)جمعہ کا دن دیگر دنوں کے مقابلے میں اللہ کا پسندیدہ دن ہے۔(31)فوت شدگان کی روحیں ان کے قبروں سے جمعہ کے دن قریب ہوتی ہیں۔فوت شدگان اپنی زیارت کرنے والوں، اپنے پاس سے گزرنے والوں اور اپنے اوپر سلام کرنے والوں کو پہچانتے ہیں۔اس دن زندوں اور مردوں کی ملاقات ہوتی ہے۔(32)صرف جمعہ کو روزہ کے لئے خاص کرنا مکروہ ہے۔اس تعلق سے فقہاء کرام کے دیگر اقوال بھی ہیں جن کی طرف کتاب میں اشارہ موجود ہے۔لیکن اس میں امام احمدؒ کا قول راجح ہےکہ صرف جمعہ کے دن کا روزہ رکھنا ممنوع ہے۔اور جمعہ کے دن روزہ رکھنے کے جواز سے متعلق دراوردی کی جو روایت ہے اس میں ایک راوی مجہول ہے، جس کی بنیاد پر اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ساتھ ہی نہی سے متعلق صحیح بخاری کی روایت موجود ہے۔(33)جمعہ کا دن مسلمانوں کے اجتماع اور باہم اکٹھا ہونے کا دن ہے جس دن انہیں دنیا وآخرت سے متعلق نصیحت کی جاتی ہے۔اور ہفتے کا ایک دن ہر امت میں عبادت اور باہم جمع ہونے کے لئے مشروع قرار دیا گیا تھا۔

صفحہ نمبر 411 سے صفحہ نمبر 425 تک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات کے طریقے کو بیان کیا گیا ہے۔خطبے کے آغاز، مشتملات، انداز واسلوب اور دیگر مسائل خطبات ان صفحات میں بیان کئے گئے ہیں۔

جمعہ کے لئے مسجد میں جب لوگ اکٹھا ہوجاتے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ سے مسجد کے لئے نکلتے، مسجد میں داخل ہوتے تو سلام کرتے، جب منبر پر آتے تو آپ کا رخ مصلیوں کی طرف ہوتا، منبر پر کھڑے ہوکر بھی آپ سلام کرتے، پھر بیٹھ جاتے، اس کے بعد بلال رضی اللہ عنہ اذان شروع کرتے، اذان کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے اور خطبہ دیتے۔

امام ابن قیم الجوزیہؒ نے دوران خطبہ خاموشی سے متعلق حدیث کو بیان کرکے اس کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔جمعہ کے دن کسی قسم کی کوئی سنت نماز عید کی طرح نہیں ہے۔اور یہی اہل علم کا صحیح قول ہے۔ویسے اس تعلق سے اہل علم کے دیگر اقوال کو بھی امام ابن القیم جوزیہؒ نے ذکر کیا ہے، تفصیل کے لئے صفحہ نمبر 417 سے 425 تک کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

میاں بیوی کے حقوق اور گھر کے کام کاج کی ذمہ داری

مولانا عبدالمنان شکراوی، دہلی

انسانی زندگی میں پیش آنے والے مسائل کا تعلق عقائد سے ہو یا عبادات سے، باہمی حقوق سے ہو یا معاملات سے، یکساں طور پر ان سے متعلق واضح ہدایات شریعت اسلامی میں موجود ہیں اور ان کے سلسلے میں مکمل رہنمائی کی گئی ہے۔ حقوق کا جہاں تک تعلق ہے ان میں میاں بیوی کے حقوق بڑی ہی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کی ان دیکھی کی جائے تو بڑی مشکلات کھڑی ہوسکتی ہیں اور گھر کا امن وسکون غارت ہوسکتا ہے۔ اس لیے شریعت میں میاں بیوں کی ذمہ داریوں کو جس طرح واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے اسی طرح ان کے حقوق کی بھی پوری طرح پاسداری کی گئی ہے۔ گھر کے کام کاج کی ذمہ داری سے متعلق نبوی ہدایات روز روشن کی طرح عیاں ہیں جن کی روشنی میں اس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لے کر آئیں کہ چکی پیسنے سے ان کے ہاتھوں میں نشان پڑگئے ہیں۔ اور ایک خادم کا سوال کیا جس کا مثبت جواب نہ ملا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کا ذکر کیا۔ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو انہوں نے آپ کو یہ بات بتائی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم سونے کے لیے بستر پر پہنچ گیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ میں اٹھنے لگا تو فرمایا: اپنی جگہ رہو اور ہمارے درمیان میں بیٹھ گیے یہاں تک کہ میں نے اپنے سینے پر آپ کے پیروں کی ٹھنڈک کو محسوس کیا۔ آپ نے فرمایا: کیا میں تمہیں ایسی دعا نہ بتاؤں جو خادم سے بہتر ہے؟ جب تم اپنے بستر پر آؤ تو تینتیس بار سبحان اللہ، تینتیس بار الحمدللہ اور تینتیس بار الحمدللہ پڑھو۔ کیونکہ یہ تمہارے لیے خادم سے بہتر ہے۔

امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ جن عورتوں میں گھر کے کام کاج یعنی روٹی پکانے، آٹا پیسنے وغیرہ کاموں کی طاقت ہو تو یہ کام انجام دینے کی ذمہ داری شوہر کی نہیں ہے۔ بشرطیکہ یہ سب کام مرد کے نہ کرنے کا چلن ہو۔ کیونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب اپنے والد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خادم کا مطالبہ کیا تو اس کے شوہر کو یہ سب کرنے یا خادم رکھنے یا ان سب کاموں کو کرنے کی غرض سے کسی کو اجرت پر رکھنے کے لیے نہیں کہا۔ اگر یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری ہوتی تو آپ انہیں یقینی طور پر اس کا ایسے ہی حکم دیتے جیسے آپ نے دخول سے قبل مہر ادا کرنے کا حکم دیا تھا۔ حالانکہ اگر بیوی مہر بعد میں ادا کرنے کے لیے راضی ہوجائے تو پہلے ادائیگی واجب نہیں ہے۔ یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کا تو حکم دیں جو واجب نہیں ہے اور جو واجب ہے اسے چھوڑ دیں؟

بعض خاندانوں کو خاص طور پر جب شادی کو طویل عرصہ بیت جائے یہ دقت پیش آتی ہے کہ نہ تو شوہر اور نہ ہی بیویاں بننے سنورنے کا اہتمام کرتی ہیں جبکہ شادی کے ابتدائی ایام میں اس کا اہتمام ہوتا تھا یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ صرف جوانی میں تو اس کا اہتمام تھا۔ یا ہفتے یا مہینے کے متعین دنوں میں تھا۔ درحقیقت یہ ایک سنگین مسئلہ ہے جو بسا اوقات خاندان میں بڑی مشکلات کا پیش خیمہ بن جاتا ہے۔ یہ رویہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ تھا بلکہ سنت طریقہ یہ ہے کہ مرد وزن ہر ایک دوسرے کے لیے زیب وزینت کا اہتمام کرے۔ شوہر بیوی کے لیے اسی طرح بیوی شوہر کے لیے۔ سنن نسائی میں وارد ایک روایت جسے امام البانی رحمہ اللہ نے حسن صحیح کہا ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا: سب سے اچھی عورت کون سی ہے؟ فرمایا: جس کی طرف مرد دیکھے تو وہ اسے خوش کردے، جب وہ کسی کام کا اسے حکم دے تو (خوش اسلوبی سے) اسے بجالائے اور اپنی ذات اور اپنے مال کے سلسلے میں شوہر کی مخالفت نہ کرے کہ اسے برا لگے۔'' حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ عورتوں کو جب میت کا سوگ منانے کے ایام میں زیب وزینت سے دور رہنے کا حکم دیا گیا ہے تو دیگر سبھی ایام میں زیب وزینت کا اہتمام کرنا ان پر لازمی ہے۔

مسلمان عورت کے لیے چند نصیحتیں:

● باتونی نہ بنیں اور زیادہ گفتگو نہ کریں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ م بَيْنَ النَّاسِ (النساء:۱۱۴) ترجمہ: ان کے اکثر خفیہ مشوروں میں کوئی خیر نہیں، ہاں بھلائی اس کے مشورے میں جو خیرات کا یا نیک بات کا یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم کرے۔''

سب لوگ یہ بات جان لیں کہ ان کی ساری گفتگو ریکارڈ ہو رہی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ'' (ق:۱۷) ترجمہ: جس وقت دو لینے والے جا لیتے ہیں ایک دائیں طرف اور ایک بائیں طرف بیٹھا ہوا ہے۔'' دوسرے مقام پر فرمایا: مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ'' (ق:۱۸) ترجمہ: انسان کوئی لفظ منہ سے نکال نہیں پاتا مگر اس کے پاس نگہبان تیار ہے۔''

● قرآن کریم کی تلاوت کرتی رہیں۔ روزانہ کے اوراد و وظائف کے اہتمام

کی کوشش کریں۔حسب استطاعت یہ بھی کوشش ہونی چاہیے کہ انہیں زبانی یاد کیا جائے تاکہ آپ قیامت کے دن عظیم اجر کی مستحق بن جائیں۔ ● لوگوں کی نظروں میں اونچا بننے کی غرض سے ایسی چیزوں پر فخر ومباہات سے گریز کریں جو آپ کے پاس ہیں ہی نہیں۔ ● ایک مسلمان کی روحانی،نفسانی،جسمانی اور سماجی زندگی میں اللہ کے ذکر کی بڑی تاثیر ہوتی ہے لہٰذا کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ہر حال میں اللہ کا ذکر کیا جائے۔ ● زبان اللہ کی دی ہوئی ایک بہت بڑی نعمت ہے لہٰذا اسے بھلائی کے کاموں کا حکم دینے،برائی سے روکنے اور بھلائی کی طرف بلانے میں استعمال کیا جانا چاہیے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ (النساء:۱۱۴) ترجمہ:ان کے اکثر خفیہ مشوروں میں کوئی خیر نہیں،ہاں بھلائی اس کے مشورے میں جو خیرات کا یا نیک بات کا یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم کرے۔“

اسلامی شعائر کا مذاق اڑانا: سعودی عرب کے دارالافتاء سے جاری ایک فتویٰ میں شرعی لباس پہننے والی اور چہرہ وہتھیلیاں ڈھانپنے والی عورت کا مذاق اڑانے والے کے سلسلے میں ایک استفتاء آیا جس کا جواب درج ذیل دیا گیا:

جو شخص شریعت اسلامیہ کی پابندی کرنے والے مرد یا عورت کا مذاق اڑاتا ہے،وہ کافر ہے۔چاہے وہ کسی مسلمان عورت کے شرعی پردہ کا مذاق ہو یا اس کے علاوہ کسی اور اسلامی شعار کی پابندی پر ہو۔کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ غزوہ تبوک کے موقعہ پر ایک شخص نے ایک مجلس میں کہا کہ میں نے اس جیسے کھانے کے شوقین،جھوٹے اور جنگ کے وقت بزدل قاری نہیں دیکھے۔ایک شخص نے کہا کہ تم جھوٹے بلکہ منافق ہو۔تمہاری یہ بات میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بتاؤں گا۔جب یہ خبر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو وحی نازل ہوئی۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے اس شخص کو دیکھا کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے کجاوے کی رسی سے لٹکے ہوئے تھا،اسے پتھر لگ رہے تھے اور وہ یہ کہتا جا رہا تھا کہ اے اللہ کے رسول!ہم تو ایسے ہی آپس میں ہنس بول رہے تھے۔اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی یہ آیت پڑھتے جا رہے تھے: قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ إِن نَّعْفُ عَن طَائِفَةٍ مِّنكُمْ نُعَذِّبْ طَائِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ (التوبہ:۶۵-۶۶) کہہ دیجیے کہ اللہ اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لیے رہ گیے ہیں۔تم بہانے نہ بناؤ یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان ہوگئے۔اگر ہم تم میں سے کچھ لوگوں سے درگزر بھی کرلیں تو کچھ لوگوں کو ان کے جرم کی سنگین سزا بھی دیں گے۔)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مومنوں سے مذاق کو اللہ اور اس کی آیتوں کے ساتھ مذاق قرار دیا۔(تفسیر طبری)

شوہر کے بیوی پر حقوق: ● اس کی اطاعت وفرماں برداری کرے۔ ● اس کی عزت وکرامت کی حفاظت کرے۔ ● اس کے مال کی حفاظت کرے۔ ● اس کے گھر والوں کا احترام کرے اور ان کی عزت افزائی کرے۔ ● شوہر کی موجودگی میں اس کی عزت کرے اور غیر موجودگی میں اس کی تعریف کرے۔ ● جو شوہر کو پسند ہو،اسے خود بھی پسند کرے گرچہ وہ اسے ناپسند ہو۔ ● جو اسے ناپسند ہو،اسے خود بھی ناپسند کرے گرچہ وہ اسے پسند ہو۔ ● جسے شوہر نہ دیکھنا چاہے،اسے وہ بھی نہ دیکھے۔ ● جس بات سے شوہر کو غصہ آتا ہو،اسے بھی غصہ آئے اور جس سے شوہر راضی ہو وہ بھی راضی رہے۔اگر شوہر تھوڑی سی چیز بھی دے تو اسے زیادہ سمجھے اور زیادہ دے تو اس کا شکریہ ادا کرے۔ ● جب وہ سخت ہو تو نرم ہوجائے اور کسی بات پر بھڑک جائے تو خود شانت رہے۔ ● شوہر سے نوکر اور مزدور جیسا برتاؤ نہ کرے۔ ● اس کے کسی کام پر تنقید نہ کرے اور اس کے سسٹم پر عیب نہ لگائے۔ ● اس کی برائی کا نیکی سے جواب دے۔ ● اگر اس سے کوئی غلطی ہوجائے تو معاف کردے اور معذرت کرے تو اس کا عذر قبول کرے۔ ● اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ جائے۔

بیوی کے شوہر پر حقوق: بیوی کے ساتھ اچھے طریقے سے بود وباش اختیار کرے اور حسن سلوک کرے۔ ● انہیں دینی امور کی تعلیم دے اور اللہ ورسول کی فرمانبرداری کی ترغیب دے۔ ● اگر کئی بیویاں ہوں تو ان کے درمیان انصاف سے کام لے۔ ● جب تک شریعت کی پامالی نہ ہو رہی ہو اس کی چھوٹی موٹی غلطیوں کو نظرانداز کرے۔ ● بالفرض مارنے کی ضرورت پیش آجائے تو منہ پر نہ مارے۔ ● بیوی کے پاس بیٹھنے کے لیے وقت نکالے اور اس کی بات غور سے سنے۔ ● اگر اسے چھوڑے رہنے کی مصلحت پیش آجائے تو گھر ہی میں چھوڑے۔ ● اس کی پاکدامنی کا خیال رکھے۔ ● اس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرے اور دلداری کرے نیز عزت ووقار کا خیال رکھے۔ ● اس کے ساتھ بدگمانی نہ کرے بلکہ حسن ظن رکھے۔ ● اس کے راز فاش نہ کرے۔ ● اسے کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ ● اس کے نان نفقہ کی ذمہ داری بطریق احسن انجام دے۔

نبوی اخلاق وآداب: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات کے سلسلے میں وارد آیت کریمہ: وانک لعلی خلق عظیم۔ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق قرآن کریم کا مجموعہ تھا۔یعنی قرآن کریم کے اندر جو اسلامی اخلاق وآداب بتائے گیے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کی عملی تصویر تھے۔جو احکام الٰہی اس میں ہیں ان پر پوری طرح عمل پیرا تھے۔جو راستہ اس میں بتایا گیا ہے اس پر چلتے تھے۔لہٰذا آپ کی امت کو بھی چاہیے کہ وہ بھی آپ کے راستے پر چلے۔صحابۂ کرام بھی آپ کے نقش قدم پر چلتے رہے اور آپ کے زمانے نیز آپ کے بعد اسی پر گامزن رہے اور کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں کیا۔رب العلمین ہم سب کو زندگی کے تمام امور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کو اپنانے کی توفیق بخشے۔آمین ☆☆

منشیات اور اسلام

مولانا ابوحمدان اشرف فیضی

عن ابن عمر، قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كل مسكر خمر، وكل مسكر حرام، ومن شرب الخمر فى الدنيا، وهو يدمنها لم يتب لم يشربها فى الآخرة۔

تخریج: (صحیح مسلم:۲۰۰۳،سنن ابی داؤد ۳۶۷۹،سنن الترمذی ۱۸۶۱،سنن النسائی ۵۵۵۸،سنن ابن ماجہ ۳۳۹۰،مسند احمد ۴۶۴۵،صحیح ابن حبان:۵۳۵۴،صحیح الجامع ۴۵۵۳،تخریج سنن الدارقطنی:۴۶۲۴)

ترجمہ: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے، اور جس نے بھی دنیا میں شراب نوشی کی اور وہ شراب نوشی کرتے ہوئے توبہ کئے بغیر ہی مرگیا تو وہ آخرت میں شراب نہیں پیے گا۔ (شراب طہور سے محروم کردیا جائے گا۔)

شراب کی حرمت: مکہ میں ہی شراب کے متعلق ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (النحل:۶۷) اور کھجور اور انگور کے درختوں کے پھلوں سے تم شراب بنا لیتے ہو اور عمدہ روزی بھی، جو لوگ عقل رکھتے ہیں ان کے لئے تو اس میں بہت بڑی نشانی ہے۔

حافظ صلاح الدین یوسف فرماتے ہیں: یہ آیت اس وقت اتری تھی جب شراب حرام نہیں تھی، اس لئے حلال چیزوں کے ساتھ اس کا بھی ذکر کیا گیا ہے، لیکن اس میں ''سکرا'' کے بعد ورزقا حسنا ہے جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شراب رزق حسن نہیں ہے، نیز یہ سورت مکی ہے جس میں شراب کے بارے میں ناپسندیدگی کا اظہار ہے، پھر مدنی سورتوں میں بتدریج اس کی حرمت نازل ہوگئی۔ (تفسیر احسن البیان: النحل:۶۷)

شراب کی حرمت کے تدریجی مراحل اس طرح ہیں، حدیث میں ہے: (سنن النسائی:۵۵۴۰، صحیح) عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب شراب کی حرمت نازل (ہونے کو) ہوئی تو عمر رضی اللہ عنہ نے (دعا میں) کہا: اے اللہ! شراب کے بارے میں صاف صاف آگاہ فرمادے، اس پر سورۃ البقرہ کی آیت نازل ہوئی۔ عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا اور انہیں یہ آیت پڑھ کر سنائی گئی، (پھر بھی) انہوں نے کہا: اے اللہ! شراب کے بارے میں صاف صاف آگاہ فرمادے، اس پر سورۃ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى (النساء:۴۳) اے ایمان والو! جب تم نشہ میں مست ہو تو نماز کے قریب بھی نہ جاؤ) چنانچہ رسول اللہ کا منادی جب اقامت کہتا تو زور سے پکارتا: نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ، پھر عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا اور انہیں پڑھ کر یہ آیت سنائی گئی، (پھر بھی) انہوں نے کہا: اے اللہ! شراب کے بارے میں ہمیں صاف صاف آگاہ فرمادے، اس پر سورۃ المائدہ کی آیت نازل ہوئی، پھر عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر یہ آیت انہیں سنائی گئی، جب فهل منتهون پر پہنچے تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم باز آئے۔ آیات بالترتیب درج ذیل ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (البقرہ:۲۱۹) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کا مسئلہ پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجئے! ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے، اور لوگوں کو ان سے دنیاوی فائدہ بھی ہوتا ہے لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت زیادہ ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (النساء:۴۳) اے ایمان والو! جب تم نشہ میں مست ہو تو نماز کے قریب بھی نہ جاؤ، جب تک کہ اپنی بات کو سمجھنے نہ لگو۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ (المائدہ:۹۰-۹۱) اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور تھان (وغیرہ) اور پانسے کے تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں ان سے بالکل الگ رہو تا کہ تم فلاح یاب ہو، شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمہارے درمیان عداوت اور بغض واقع کرادے اور اللہ کی یاد اور نماز سے تم کو باز رکھے پس کیا تم باز آنے والے ہو؟

سورۃ المائدہ کی مذکورہ آیت شراب کی حرمت سے متعلق فائنل آیت ہے، امام قرطبیؒ فرماتے ہیں: ولا خلاف بين علماء المسلمين أن سورة المائدة

نزلت بتحریم الخمر (تفسیر القرطبی: المائدة:۹۰۔۹۱) علماء مسلمین کے درمیان اس بات پر کوئی اختلاف نہیں ہے کہ سورۃ المائدہ والی آیت شراب کی حرمت کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس آیت میں مختلف طریقے سے شراب کی حرمت کو واضح کیا گیا ہے، مثلاً:

☆خمر (شراب) کو میسر (جوا)، انصاب (بت) اورازلام (پانسے، فال) کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

☆شراب کو رجس یعنی نجس کہا گیا ہے۔

☆شیطانی عمل کہہ کر اس کی قباحت اور شناعت کو ذکر کیا گیا ہے۔

☆فاجتنبوہ کہہ کر ہر طرح سے اس سے دور رہنے کی تعلیم دی گئی ہے اور کسی بھی طرح اس سے فائدہ اٹھانے سے منع کیا گیا ہے۔

☆شراب سے اجتناب پر فلاح کی بشارت سنائی گئی ہے، اس کا لازمی مطلب ہے کہ اس کا ارتکاب باعث خسارہ وہلاکت ہے۔

☆شراب نوشی باہمی بغض وعداوت اور قتال وجدال کا ذریعہ ہے۔

☆اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روکنے کا اہم سبب ہے۔

☆آیت کے اختتام پر فهل انتم منتهون کہہ کر اس سے باز رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔

☆مسلم نوجوانوں کا کردار یہ ہونا چاہیے کہ صحابہ کرام کی طرح انتهينا کہہ کر اس سے مکمل باز آجائیں اور صدق دل سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ واستغفار کریں۔

حدیث میں ہے: انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے مکان میں لوگوں کو شراب پلا رہا تھا۔ ان دنوں کھجور ہی کی شراب وہ پیا کرتے تھے۔ (پھر جونہی شراب کی حرمت پر آیت قرآنی اتری) تو رسول اللہ ﷺ نے ایک منادی سے ندا کرائی کہ شراب حرام ہوگئی ہے۔ انہوں نے کہا (یہ سنتے ہی) ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ باہر لے جا کر اس شراب (کے مٹکے) کو انڈیل دو۔ چنانچہ میں نے باہر نکل کر ساری شراب بہادی۔ شراب مدینہ کی گلیوں میں بہنے لگی، تو بعض لوگوں نے کہا، یوں معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ اس حالت میں قتل کر دیے گئے ہیں کہ شراب ان کے پیٹ میں موجود تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوٓا (المائدہ:۹۳) وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے، ان پر ان چیزوں کا کوئی گناہ نہیں ہے۔ جو پہلے کھا چکے ہیں۔ (آخر آیت تک) (صحیح البخاری:۲۴۶۴)

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ شراب کی حرمت احد کے بعد سن ۳ ہجری میں نازل ہوئی (تفسیر القرطبی: المائدہ:۹۰۔۹۱) یہی ابن عاشور اور امام ابن تیمیہ رحمہما اللہ کا بھی موقف ہے۔ ابن عطیہؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں: وانما حرمت الخمر بظواهر القرآن ونصوص الأحاديث واجماع الأمة (المحرر الوجيز، المائدة:۹۰۔۹۱) شراب کی حرمت قرآنی آیات، نصوص احادیث اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: وأما الخمر فقد أجمع المسلمون على تحريم شرب الخمر وأجمعوا على وجوب الحد على شاربها سواء شرب قليلا أو كثيرا (شرح النووی علی صحیح مسلم:۱۱☆۲۱۷) مسلمانوں نے شراب نوشی کی حرمت پر اجماع نقل کیا ہے اور اسی طرح شرابی پر حد کی وجوبیت پر اجماع کیا ہے چاہے وہ کم پیے یا زیادہ۔

شراب تمام برائیوں کی جڑ ہے: یہ تمام برائیوں کی کنجی ہے، ام الخبائث اور ام الفواحش ہے، شرابی انسان تمام برائیوں کا عادی ہوجاتا ہے، اسی لئے نبی کریم ﷺ نے اس سے اجتناب کا حکم دیا ہے۔

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے خلیل ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی شراب مت پیو، اس لئے کہ یہ تمام برائیوں کی کنجی ہے۔

اسی طرح عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: شراب سے بچو، کیوں کہ یہ برائیوں کی جڑ ہے، تم سے پہلے زمانے کے لوگوں میں ایک شخص تھا جو بہت عبادت گزار تھا، اسے ایک بدکار عورت نے پھانس لیا، اس نے اس کے پاس ایک لونڈی بھیجی اور اس سے کہلا بھیجا کہ ہم تمہیں گواہی دینے کے لئے بلا رہے ہیں، چنانچہ وہ اس کی لونڈی کے ساتھ گیا، وہ جب ایک دروازے میں داخل ہوجاتا (لونڈی) اسے بند کرنا شروع کر دیتی یہاں تک کہ وہ ایک حسین وجمیل عورت کے پاس پہنچا، اس کے پاس ایک بچہ تھا اور شراب کا ایک برتن، وہ بولی: اللہ کی قسم! میں نے تمہیں گواہی کے لئے نہیں بلایا ہے، بلکہ اس لئے بلایا ہے کہ تم مجھ سے صحبت کرو، یا پھر ایک گلاس یہ شراب پیو، یا اس بچے کو قتل کر دو، وہ بولا: مجھے ایک گلاس شراب پلا دو، چنانچہ اس نے ایک گلاس پلائی، وہ بولا: اور دو، اور وہ وہاں سے نہیں ہٹا یہاں تک کہ اس عورت سے صحبت کر لی اور اس بچے کا خون بھی کر دیا لہٰذا تم لوگ شراب سے بچو، اللہ کی قسم! ایمان اور شراب نوشی کی عادت، دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے، البتہ ان میں سے ایک دوسرے کو نکال دے گا۔ (سنن نسائی ۵۶۶۶ صحیح موقوف)

سبحان اللہ! غور فرمائیں کہ شراب کے نشے میں مست ہونے کے بعد اس عابد وزاہد نے معصوم بچے کو قتل بھی کیا اور عورت سے زنا بھی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے نوجوانوں کو اس بری لت اور گندی عادت سے محفوظ رکھے۔ آمین

ہر نشہ آور چیز حرام ہے: اسلام میں تمام نشہ آور چیزیں حرام ہیں، چاہے اس کی نوعیت اور نام کچھ بھی ہو اگر وہ مسکر اور مفتر ہے تو حرام ہے، چاہے

قلیل مقدار میں ہو یا کثیر مقدار میں، اس وقت سماج میں شراب کے علاوہ بھی مختلف شکلوں میں منشیات کا استعمال ہو رہا ہے، مثلاً: چرس، گانجا، افیون، ہیروئن، حشیش، بھنگ، تمباکو، زردہ، گل، بیڑی، سگریٹ، گٹھکا، کوکین، بڑ، حقہ وغیرہ، بعض روشن خیال لوگ صرف شراب کو حرام سمجھتے ہیں اور دیگر مسکرات ومخدرات کو حرام نہیں سمجھتے اور اس کے لئے طرح طرح کے احتمالات پیش کرتے ہیں اور نصوص شرعیہ کی من مانی تاویلات کرتے ہیں، ایسے لوگوں کو اللہ سے ڈرنا چاہیے کہ کہیں اللہ تعالیٰ ان کی اس جرأت پر کسی فتنے یا عذاب میں مبتلا نہ کردے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (النور:٦٣) سنو! جو لوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آپڑے یا انہیں دردناک عذاب (نہ) پہنچے۔

اس سلسلے میں وارد کتاب وسنت کے نصوص عام ہیں اور شراب کی حرمت کی جو علت ہے وہ علت دیگر منشیاب میں بھی موجود ہے، یہ تمام چیزیں عقل میں فتور پیدا کرتی ہیں اور جو چیزیں عقل میں فتور پیدا کریں وہ خمر ہے اور خمر حرام ہے، لہٰذا موجودہ زمانے کی تمام نشہ آور اشیاء حرام ہیں، نام بدل لینے سے حکم نہیں بدلتا، جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث میں ہر مسکر پر خمر کا اطلاق کیا گیا ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں: علة تحريم الخمر كونها تصد عن ذكر الله وعن الصلاة وهذه العلة موجودة فی جميع المسكر ات فوجب طرد الحكم فی الجميع (شرح النووی علی مسلم: ١٣/ ١٣٠) شراب کی حرمت کی علت اس کا اللہ کے ذکر اور نماز سے روکنا ہے اور یہ علت تمام نشہ آور چیزوں میں موجود ہے، لہٰذا تمام منشیات میں اسی کا حکم (حرمت کا) لگانا ضروری ہے۔ بعض دیگر نصوص ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے منبر پر خطبہ دیا تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی پھر فرمایا: جان لو کہ شراب جب حرام ہوئی تھی تو پانچ چیزوں سے بنائی جاتی تھی گیہوں، جو، کھجور، انگور اور شہد سے۔ اور شراب وہ ہے جو عقل میں فتور ڈالے (خواہ وہ کسی چیز کی ہو) (صحیح مسلم:٣٠٣٢)

۲۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو یمن کی طرف بھیجا۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ! ہمارے ملک میں ایک شراب بنتی ہے جس کو مزر کہتے ہیں، وہ جو سے بنتی ہے اور ایک شراب شہد سے بنتی ہے جس کو بتع کہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر نشہ والی شراب حرام ہے۔

۳۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ آور ہو اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔

۴۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور جو چیز فرق بھر نشہ لاتی ہے اس کا ایک چلو بھی حرام ہے۔ اس حدیث میں فرق (ایک پیمانہ ہے سولہ رطل کا) اور مٹھی بھر کا مفہوم بھی کثیر وقلیل ہی ہے، یعنی جس چیز کی کثیر مقدار نشہ آور ہو تو اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے۔

۵۔ بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے تم کو منع کیا تھا چمڑے کے برتنوں میں پینے سے، اب ہر برتن میں پیو بس نشہ لانے والی چیز نہ پیو۔ دوسری روایت میں ہے: میں نے تم کو منع کیا تھا برتنوں سے لیکن برتنوں سے کوئی چیز حلال یا حرام نہیں ہوتی اصل تو ہر نشہ کرنے والی چیز حرام ہے۔ (صحیح مسلم:٩٧٧)

٦۔ عن عائشة، قال: سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن البتع فقال: كل شراب أسكر فهو حرام (صحيح مسلم: كتاب الأشربة باب بيان أن كل مسكر خمر، وأن كل خمر حرام:٢٠٠١) عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بتع کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہر نشہ آور مشروب حرام ہے۔

شراب اور دیگر منشیات کے نقصانات:

عمل کی خرابی: انسان کو جمادات، حیوانات، نباتات اور دیگر مخلوقات پر جو امتیاز حاصل ہے وہ عقل کی وجہ سے ہے، اسی عقل کی وجہ سے انسان صحیح اور غلط، خیر وشر، نفع ونقصان اور نیکی وبدی میں تمیز کرتا ہے، شراب اور نشہ کی عادت عقل کو خراب کردیتی ہے، عقل پر پردہ ڈالتی ہے، انسان ہوش وحواس کھو بیٹھتا ہے، خمر (شراب) کہتے ہی ہیں جو عقل کو مخمور کردے، نشہ کے استعمال سے ایک انسان اس عظیم نعمت کو ضائع کردیتا ہے اور اس کے اور دوسرے جمادات وحیوانات میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا، وہ زندہ رہتے ہوئے بھی مردہ نظر آتا ہے، گھر اور سماج کے لئے بوجھ بن جاتا ہے، شراب اور نشہ کی وجہ سے عقل کا ضیاع ایسا عظیم خسارہ ہے جو شراب ومنشیات کی حرمت کے لئے کافی ہے، علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں: اگر اس (شراب) میں سوائے عقل کے زائل ہونے اور حد اعتدال سے نکل جانے کے کوئی اور نقصان نہ بھی ہو تو مذکورہ نقصان ہی (اس کے حرام ہونے کے لئے) کافی ہے، بلاشبہ عقل خراب ہوجائے تو تمام خبائث وجرائم صادر ہونے لگیں گے۔ (روح المعانی:٢/ ١١٤)

امام غزالیؒ فرماتے ہیں: شریعت نے شراب کو حرام قرار دیا اس لئے کہ اس کے پینے سے عقل زائل ہوجاتی ہے جب کہ عقل کا درست رکھنا شریعت میں مطلوب ہے کیوں کہ عقل سمجھ بوجھ کا وسیلہ ہے، امانت کو اٹھانے کا آلہ ہے، شرعی احکام مکلّف ہونے کا محل ہے، تمام دینی ودنیوی امور کا دارومدار عقل ہے، چنانچہ اس کی حفاظت کرنا ضروری ہے۔ (شفاء الغلیل:١٠٣)

دینی نقصانات: شرابی اور نشہ کا عادی انسان کافر تو نہیں ہوتا مگر اس کا ایمان کا نور اس کے دل سے نکل جاتا ہے، نماز روزہ اور کسی بھی نیکی وبھلائی کے کام

سے اس کو کوئی مطلب نہیں ہوتا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے شراب کے نقصانات کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا: إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ (المائدہ:۹۱) شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمہارے درمیان عداوت اور بغض واقع کرادے اور اللہ کی یاد اور نماز سے تم کو باز رکھے پس کیا تم باز آنے والے ہو؟ اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب بھی زنا کرنے والا زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں رہتا، جب بھی کوئی شراب پینے والا شراب پیتا ہے تو وہ مومن نہیں رہتا، جب بھی کوئی چوری کرنے والا چوری کرتا ہے تو وہ مومن نہیں رہتا، جب بھی کوئی لوٹنے والا لوٹتا ہے کہ لوگ نظریں اٹھا اٹھا کر اسے دیکھنے لگتے ہیں تو وہ مومن نہیں رہتا۔

شرابی اگر نماز بھی پڑھے تو اسے نماز کا ثواب نہیں ملتا، حدیث نبوی ﷺ ہے: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے شراب پی اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہیں کرے گا، اگر وہ توبہ کرلے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرے گا، اگر اس نے دوبارہ شراب پی تو اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہیں کرے گا، اگر وہ توبہ کرلے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرے گا، اگر اس نے پھر شراب پی تو اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہیں کرے گا، اگر وہ توبہ کرلے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرے گا، اگر اس نے چوتھی بار بھی شراب پی تو اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہیں کرے گا اور اگر وہ توبہ کرے تو اس کی توبہ بھی قبول نہیں کرے گا اور اس کو نہر خبال سے پلائے گا، پوچھا گیا، ابو عبدالرحمٰن! نہر خبال کیا ہے؟ انہوں نے کہا: جہنمیوں کے پیپ کی ایک نہر ہے۔ (سنن ترمذی ۱۸۶۲ صحیح)

ابو عبداللہ محمد بن نصر المروزی نے کہا: قوله: لا تقبل له صلاة أي: لا يثاب على صلاته أربعين يوما عقوبة لشربه الخمر، كما قالوا في المتكلم يوم الجمعة والامام يخطب انه يصلي الجمعة ولا جمعة له، يعنون أنه لا يعطى ثواب الجمعة عقوبة لذنبه (تعظيم قدر الصلاة: ۲/۵۸۷-۵۸۸)

نبی ﷺ کے فرمان: اس کی چالیس دن تک نماز قبول نہیں کی جائے گی کا مطلب یہ ہے کہ شراب نوشی کی سزا میں اسے چالیس دنوں کی نمازوں کا ثواب نہیں ملے گا، جیسا کہ جمعہ کے دن امام کے خطبہ کے دوران اگر کوئی بات کرتا ہے تو وہ بطور سزا جمعہ کے ثواب سے محروم کردیا جاتا ہے، حالانکہ وہ نماز جمعہ کا اہتمام کرتا ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں: وأما عدم قبول صلاته فمعناه أنه لا ثواب له فيها وان كانت مجزئة في سقوط الفرض عنه، ولا يحتاج معها الى اعادة (شرح مسلم للنووي: ۱۴/۲۲۷) نماز کی عدم قبولیت کا مطلب یہ ہے کہ اسے نماز کا ثواب نہیں ملے گا البتہ اس کی نماز صحیح ہے اگر اس نے تمام شروط کے ساتھ نماز ادا کی ہے، تو اس سے فرضیت ساقط ہوجائے گی اور نماز کے اعادے کی ضرورت نہ ہوگی۔ اسی طرح شراب نوشی باعث گمراہی ہے، حدیث نبوی ﷺ ہے:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ معراج کی رات میں نبی کریم ﷺ کے سامنے بیت المقدس میں دو پیالے پیش کئے گئے ایک شراب کا اور دوسرا دودھ کا۔ نبی کریم ﷺ نے دونوں کو دیکھا پھر دودھ کا پیالہ اٹھالیا۔ اس پر جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے جس نے آپ کو فطرت (اسلام) کی ہدایت کی۔ اگر آپ شراب کا پیالہ اٹھالیتے تو آپ کی امت گمراہ ہوجاتی۔ ایک اور حدیث میں ہے: شارب الخمر كعابد وثن وشارب الخمر كعابداللات والعزى (اخرجه الحارث في المسند: ۵۴۹، صحيح الجامع: ۳۷۰۱) شرابی بت پرست اور لات وعزی کے پرستار کی طرح ہے۔

اسی طرح شراب پینا تو ایک سنگین اور خطرناک گناہ ہے ہی، اس کی سنگینی کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ ایسی مجلس میں شرکت جائز نہیں ہے جہاں شراب نوشی کا دور چلتا ہو، اگرچہ وہ شراب نہ پئے، حدیث نبوی ﷺ ہے: ومن كان يومن بالله واليوم الآخر، فلا يجلس على مائدة يدار عليها بالخمر (سنن الترمذي: أبواب الأدب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ما جاء في دخول الحمام: ۲۸۰۱ حسن) اور جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے جہاں شراب کا دور چلتا ہو۔

سوء خاتمہ: نشہ کا عادی انسان دھیرے دھیرے مجنون اور حواس باختہ ہوجاتا ہے، ذہنی توازن کھو بیٹھتا ہے، جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ گناہوں میں ڈوبا رہتا ہے اور بسا اوقات اسی حالت میں اس کا خاتمہ ہوجاتا ہے اور یہ بہت بری موت قرار پاتی ہے کیوں کہ انسان جس حالت میں مرتا ہے قیامت کے دن اسی حال میں اسے اٹھایا جائے گا، نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: عن جابر، قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: يبعث كل عبد على ما مات عليه (صحيح مسلم: كتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب الأمر بحسن الظن بالله تعالى عند الموت: ۲۸۷۸) جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ہر بندہ قیامت کے دن اس حالت پر اٹھایا جائے گا جس حالت میں وہ مرا تھا۔

☆☆☆

ابوعدنان سعید الرحمٰن نورالعین سنابلی
المرکز الاسلامی الثقافی الہندی للترجمۃ والتالیف، نئی دہلی

جھوٹی گواہی سنگین جرم ہے

جھوٹی گواہی کبیرہ گناہ ہے اور اس کی قباحت کو ظاہر کرنے کے لیے قرآن کریم میں اسے شرک کے برابر ٹھہرایا گیا ہے۔ظاہر ہے کہ شرک ہر صورت میں نا قابلِ معافی جرم ہے' اکبرالکبائر ہے' یقیناً کوئی بھی بڑے سے بڑا گناہ شرک کے برابر نہیں ہوسکتا' لیکن چونکہ مشرک بھی دلیلِ حق کو چھپاتا ہے اور اس کا انکار کرتا ہے' پس اس مشابہت کی وجہ سے جھوٹی گواہی کو جزوی طور پر شرک کے برابر ٹھہرایا گیا ہے اور یہ شدید ترین وعید ہے۔ جھوٹی گواہی کی وجہ سے ہمارے نظامِ انصاف کو سخت نقصان پہنچا ہے۔ جھوٹی گواہی، ناانصافی کو جنم دیتی ہے، انصاف کا خون کرتی ہے۔عوام کو تحفظ اور سیکیورٹی کے لئے بھی خطرہ ہے۔

قرآنِ کریم نے شہادتِ کاذبہ سے اجتناب کی روش کو صفتِ حمیدہ کے طور پر بیان فرمایا ہے۔قرآنِ کریم نے یہ بھی بتایا کہ شہادت صرف اللہ کی رضا کیلئے دینی چاہیے اور اس کی پروا نہیں کرنی چاہیے کہ اس کی زد کس پر پڑتی ہے' خواہ اپنی ذات یا اپنے قرابت داروں پر بھی پڑے' تب بھی ہر حال اور ہر صورت میں شہادتِ حق سے گریز نہیں کرنا چاہیے' نیز شہادتِ حق دینے کے حوالے سے نہ کسی امیر کی طرف داری کرنی چاہیے اور نہ کسی غریب پر ترس کھانا چاہیے' مزید یہ کہ شہادت دینے میں ہیر پھیر نہیں کرنی چاہیے کہ حق پوری طرح واضح نہ ہو' بلکہ مشتبہ ہوجائے اور حق دار محروم رہ جائے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا ۚ وَإِن تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ''(سورۃ النساء/۱۳۵) یعنی اے ایمان والو! عدل وانصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے اور خوشنودیٔ مولا کے لئے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ، گو وہ خود تمہارے اپنے خلاف ہو یا اپنے ماں باپ کے یا رشتہ داروں عزیزوں کے وہ شخص اگر امیر ہو تو اور فقیر ہو تو دونوں کے ساتھ اللہ کو زیادہ تعلق ہے اس لئے تم خواہش نفس کے پیچھے پڑ کر انصاف نہ چھوڑ دینا اور اگر تم نے کج بیانی کی یا پہلو تہی کی تو جان لو کہ جو کچھ تم کروگے اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

ایک مسلمان کی شان یہی ہوتی ہے کہ وہ تمام معاملات میں حق وصداقت اور راست بازی پر عمل پیرا ہوتا ہے اور کذب بیانی اور دروغ گوئی جیسے صفات رذیلہ سے خود کو دور رکھتا ہے اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ عام بات چیت میں جھوٹ بولنا منع ہے تو بھلا گواہی میں جھوٹ بولنا کس قدر جرم ہوگا۔آپ کبھی عدالتی کاروائی، پولیس جانچ یا جرائم کی تفتیش کا حصہ بنیں تو دیکھیں گے کہ لوگ کس طرح سے گواہوں کا جوڑ توڑ کرتے ہیں۔ مدعی جھوٹ بولتا ہے، مدعا علیہ یا ملزم اپنا جوابی جھوٹ گھڑ کر لاتا ہے، گواہان اپنے حصے کی غلط بیانی کرتے ہیں، پولیس سب سے بڑھ کر جھوٹ بولتی ہے۔ یہ سب اپنے اپنے جھوٹ جج کے سامنے رکھ کر کہتے ہیں کہ لو اب تم ہمارے ساتھ انصاف کرو!۔یہی نہیں بلکہ یہ بھی آپ نے اخباروں میں پڑھا ہوگا، ٹیلی ویژن پر سنا ہوگا اور یہ بات عام مشاہدہ میں ہے کہ جب کسی معصوم انسان کو پولیس پھنسانا چاہتی ہے تو سب سے پہلے ہتھیار، اشیائے منشیات یا دیگر ممنوعات کو ان کے پاس سے برآمدگی کا اعلان کرتی ہے حالانکہ ان چیزوں کو رکھنے والے بھی پولس والے ہوتے ہیں اور پھر کورٹ میں اس کی روشنی میں جھوٹی گواہیاں دی جاتی ہیں اور چارج شیٹ تیار کیے جاتے ہیں۔

بہر حال، کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں جھوٹی گواہیوں کا چلن بڑے پیمانے پر ہے۔لوگ ناحق مال پر قبضہ حاصل کرنے کے لئے، چند ٹکوں کے حصول کے لئے یا پھر کسی کو زک پہنچانے کے لئے دھڑلے سے جھوٹی گواہیاں دیتے ہیں اور اسے عیب نہیں تصور کرتے ہیں جبکہ جھوٹی گواہی کو شریعت اسلامیہ نے سنگین جرم قرار دیا ہے۔ زیر نظر مضمون میں جھوٹی گواہی کے تعلق سے چند باتیں قرآن و حدیث اور کتب فقہ کے حوالے سے قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جائے گی تاکہ ہمیں معلوم ہوسکے کہ یہ کتنا بڑا جرم ہے۔

جھوٹی گواہی کی حرمت پر بے شمار قرآنی آیتیں اور حدیثیں دلالت کرتی ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:''فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ''(سورۃ الحج/۳۰) یعنی پس تمہیں بتوں کی گندگی سے بچتے رہنا چاہیے اور جھوٹی بات سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں جھوٹی گواہی کو بتوں کی پوجا کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے۔اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسلمان کی بے حرمتی بہت سنگین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹی گواہی دینے کو اپنی ذات کے تعلق سے کذب بیانی کرنے والے کے مترادف قرار دیا ہے۔(ملاحظہ ہو: المبسوط ۱۶/۱۴۵)

اسی طرح اس آیت کریمہ میں اس بات کی طرف بھی اشارہ موجود ہے کہ جھوٹی گواہی سنگین جرم ہے اور یہ عمل اللہ کے ساتھ شرک کرنے کے مساوی ہے بلکہ اگر غور کیا

جائے تو شرک بھی جھوٹ اور دروغ گوئی کے بطن سے ہی جنم لیتا ہے۔ (التفسیر القرآنی للقرآن ۷/۱۰۲۸)

اللہ تعالیٰ مزید ارشاد فرماتا ہے: ''وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا'' (سورۃ الفرقان/ ۴) یعنی اور جو لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب کسی لغو چیز پر ان کا گزر ہوتا ہے تو شرافت سے گزر جاتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان نیک بندوں کی جو شریعت پر استقامت اختیار کیے اور جس کی وجہ سے وہ جنت کے مستحق قرار پائے کی نیک خصلتوں میں سے ایک خصلت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں ''لَا يَشْهَدُونَ'' ''شھادۃ'' سے ہے ''مشاھدۃ'' سے نہیں ہے۔ (تفسیر قرطبی ۱۳/۸۰)

سابقہ قرآنی آیتوں سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ جھوٹی گواہی سنگین جرم ہے۔ ایک مسلمان کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ اس طرح کے جرائم سے دوری اختیار کرتا ہے اور اپنے آپ کو ایسے گناہوں سے آلودہ نہیں کرتا ہے۔

اس کے علاوہ متعدد حدیثوں میں جھوٹی گواہی دینے کو کبیرہ گناہ قرار دیا گیا ہے۔ ان میں سے چند حدیثیں درج ذیل ہیں:

۱۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے کبیرہ گناہوں کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی جان کو ناحق قتل کرنا اور جھوٹی گواہی دینا۔ (صحیح بخاری/۲۶۵۳)

۲۔ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم لوگوں کو سب سے بڑے گناہ نہ بتاؤں؟ تین بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا۔ صحابہ نے عرض کیا، ہاں یا رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اَلْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ'' یعنی اللہ کا کسی کو شریک ٹھہرانا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک ٹیک لگائے ہوئے تھے لیکن اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا، ہاں اور جھوٹی گواہی بھی۔ انہوں نے بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملے کو اتنی مرتبہ دہرایا کہ ہم کہنے لگے کاش! آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو جاتے۔ (صحیح بخاری)

سابقہ دونوں حدیثوں میں اللہ کے رسول ﷺ نے جھوٹی گواہی اور شہادت زور کو کبیرہ گناہوں میں شمار کرایا ہے بلکہ آپ دیکھیں کہ دوسری حدیث میں جھوٹی گواہی کا تذکرہ کرتے ہوئے بیٹھ گئے اور تکیہ کو چھوڑ دیا جو اس جرم کی قباحت وشناعت کا واضح ثبوت ہے۔

۳۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''سات ہلاکت خیز گناہوں سے احتراز کرو۔'' صحابہ کرام نے عرض کیا: اللہ کے رسول اللہ ﷺ! وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، جادو کرنا، کسی جان کو قتل کرنا جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے مگر حق کے ساتھ جائز ہے، سود کھانا، یتیم کا مال ہڑپ کرنا، لڑائی کے دن پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا اور پاک دامن اہل ایمان، بھولی بھالی خواتین پر زنا کی تہمت لگانا۔'' (صحیح بخاری/۲۷۶۶، صحیح مسلم/۹۸)

اس حدیث میں پاک دامن عورتوں پر اتہام پردازی کو ہلاکت خیز گناہوں میں سے بتایا گیا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ پاک دامن عورتوں کے بارے میں جھوٹی باتیں کہنا ایک طرح ان کے تعلق سے جھوٹی گواہی دینا ہی ہے۔

سابقہ حدیثوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹی گواہی سنگین جرم ہے اور ہو بھی کیوں نہیں، جھوٹی گواہی کے ذریعہ انسان عدالتوں کو گمراہ کرتا ہے، غلط فیصلے کا سبب بنتا ہے، ناحق ڈھنگ سے دوسرے انسان کی حق تلفی کا سبب بنتا ہے اور مشہود علیہ کو نقصان پہنچانے کے علاوہ شاہد (گواہ) اپنی عاقبت برباد کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جھوٹی گواہی پر اس قدر سختی برتی گئی ہے بلکہ ہم سابقہ حدیثوں پر غور کرتے ہیں تو سنت رسول ﷺ میں جھوٹی گواہی کی حرمت کے چار مظاہر نمایاں ہوتے ہیں:

۱۔ اللہ کے رسول ﷺ نے جھوٹی گواہی کا تذکرہ کبیرہ گناہوں کے ضمن میں کیا ہے۔

۲۔ عمل اور ہیئت کے ذریعہ بھی اس کی سنگینی کو واضح کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ ٹیک لگائے ہوئے تھے لیکن جھوٹی گواہی کا ذکر آیا تو بیٹھ گئے۔ چنانچہ اس امر کی توضیح میں رسول اکرم ﷺ نے جو حالت وہیئت تبدیل کی اس سے معلوم چلتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس چیز کو حد درجہ سنگین سمجھا اور اس کی سنگینی کو بتانے کے لئے رسول ﷺ نے اپنی ہیئت وحالت تبدیل فرمائی۔

۳۔ اللہ کے رسول ﷺ نے جھوٹی گواہی کی شناعت بیان کرتے ہوئے اسے اس کثرت سے دوہراتے رہے کہ صحابہ کرام نے سوچا کہ اے کاش! رسول اکرم ﷺ اب خاموش ہو جاتے اور اس کا تذکرہ اب نہیں کرتے۔ ہمیں یہ بات معلوم ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ جب کسی اہم بات کو بتاتے تو اسے تین یا اس سے زیادہ بار دہرایا کرتے تھے اور یہی اسلوب آپ نے یہاں اختیار کیا ہے۔

۴۔ اللہ کے رسول ﷺ نے شہادت زور (جھوٹی گواہی) کو شرک باللہ کے مساوی قرار دیا ہے۔ اس تعلق سے خریم بن فاتک اسدی رضی اللہ عنہ کی حدیث کتب سنن میں موجود ہے لیکن محققین علمائے کرام نے گرچہ اسے ضعیف قرار دیا ہے لیکن سورہ حج آیت نمبر (۳۰) میں ہم نے دیکھا کہ بتوں کی پرستش کے ساتھ شہادت زور (جھوٹی گواہی) کا تذکرہ کیا ہے۔

جھوٹی گواہی کے تعلق سے سختی کے اسباب: جھوٹی گواہی کے تعلق سے وارد نصوص کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم چلتا ہے کہ اس تعلق سے قرآن وحدیث میں بہت شدت اختیار کیا گیا ہے اور اوپر جیسا کہ گزرا مختلف ناحیوں سے نصوص میں اس کی قباحت وشناعت کو بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جھوٹی گواہی کے تعلق سے شریعت اسلامیہ نے اس قدر جارحانہ اور سخت اسلوب کیوں اختیار کیا ہے؟

اس تعلق سے علمائے کرام نے جو اسباب بیان کئے ہیں ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ جھوٹی گواہی ایک سنگین جرم ہے لیکن اکثر لوگ اس مرض کو سنگین نہیں جانتے اور اس کے شکار ہوجاتے ہیں۔ اس وجہ سے شریعت اسلامیہ نے یہ سخت اسلوب اختیار کرکے اس کی قباحت وشناعت اور حرمت کو واشگاف کیا ہے۔

۲۔ جھوٹی گواہی کا اثر صرف گواہ پر ہی نہیں رہتا ہے بلکہ اس کا اثر گواہ کے علاوہ قاضی، مشہود علیہ اور خود شاہد پر بھی پڑتا ہے۔ جھوٹی گواہیوں کی وجہ سے عدالتیں گمراہ ہوجاتی ہیں اور غلط فیصلے صادر فرمادیتی ہیں، مشہود علیہ اپنے حق سے محروم ہوجاتا ہے، مشہود لہ حرام کاری کا شکار ہوتا ہے اور شاہد جھوٹی گواہی کی وجہ سے اپنی عاقبت برباد کرتا ہے۔

۳۔ جھوٹی گواہی کے بہت سے اسباب وعوامل ہوتے ہیں:

ا۔ لوگوں کے درمیان چپقلش ہوتی ہے تو انتقام کے مقصد سے لوگ اپنے مخالفین کو زیر کرنے کے لئے جھوٹی گواہیوں کا سہارا لیتے ہیں۔

ب۔ حسد کی آگ میں جل بھن کر ایک انسان بسا اوقات دوسرے کے خلاف جھوٹی گواہی دیتا ہے تاکہ وہ رب کی عطا کردہ نعمتوں سے محروم ہوجائے۔

ج۔ بسا اوقات لوگ دنیوی داد ودہش کے حصول کے لئے بھی جھوٹی گواہیاں دیتے ہیں۔

۴۔ جھوٹی گواہیاں زبان کے حصائد (کرتوت) ہوتی ہیں جن سے اللہ کے رسول ﷺ نے بچنے کی سخت تاکید فرمائی ہے کیونکہ قیامت کے دن لوگ اپنی زبان کی وجہ سے بھی بھاری تعداد میں جہنم میں داخل ہوں گے۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

میں ایک سفر میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھا، ایک دن صبح کے وقت میں آپ ﷺ سے قریب ہوا، ہم سب چل رہے تھے، میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! آپ مجھے کوئی ایسا عمل بتایئے جو مجھے جنت میں لے جائے، اور جہنم سے دور رکھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے ایک بہت بڑی بات پوچھی ہے۔ اور بے شک یہ عمل اس شخص کے لیے آسان ہے جس کے لیے اللہ آسان کردے۔ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، نماز قائم کرو، زکاۃ دو، رمضان کے صیام رکھو، اور بیت اللہ کا حج کرو''۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں بھلائی کے دروازے (راستے) نہ بتاؤں؟ روزہ ڈھال ہے، صدقہ گناہ کو ایسے بجھا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھاتا ہے، اور آدھی رات کے وقت آدمی کا نماز (تہجد) پڑھنا''، پھر آپ ﷺ نے آیت ''تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ کی تلاوت يَعْمَلُونَ'' تک فرمائی، آپ ﷺ نے پھر فرمایا: ''کیا میں تمہیں دین کی اصل، اس کا ستون اور اس کی چوٹی نہ بتادوں''؟ میں نے کہا: کیوں نہیں؟ اللہ کے رسول (ضرور بتایئے) آپ ﷺ نے فرمایا: ''دین کی اصل اسلام ہے اور اس کا ستون (عمود) نماز ہے اور اس کی چوٹی جہاد ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں ان تمام باتوں کا جس چیز پر دارومدار ہے وہ نہ بتادوں؟ میں نے کہا: ہاں، اللہ کے نبی! پھر آپ ﷺ نے اپنی زبان پکڑی، اور فرمایا: ''اسے اپنے قابو میں رکھو، میں نے کہا: اللہ کے نبی! کیا ہم جو کچھ بولتے ہیں اس پر پکڑے جائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہاری ماں تم پر روئے، معاذ! لوگ اپنی زبانوں کی بڑبڑ ہی کی وجہ سے تو اوندھے منہ یا نتھنوں کے بل جہنم میں ڈالے جائیں گے''؟۔ (سنن ترمذی/۲۶۱۶، شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

جھوٹی گواہی کے مفاسد: جھوٹی گواہی کے اثرات بد پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اندر ان گنت مفاسد پائے جاتے ہیں اور ان مفاسد ومضرات کا شکار کوئی ایک شخص نہیں ہوتا بلکہ اس کے اثرات بدوسیع پیمانے پر پڑتے ہیں اور اس دینی، اخلاقی اور عدالتی جرم کے شکار معاشرے کے متعدد افراد ہوتے ہیں۔ چنانچہ درج ذیل میں جھوٹی گواہی کے کچھ مضرات انتہائی اختصار کے ساتھ قلمبند کئے جارہے ہیں:

۱۔ قضاۃ، حکام اور سلاطین جھوٹی گواہی کی وجہ سے حق تک پہنچنے سے قاصر ہوجاتے ہیں اور اس جھوٹی گواہی کی وجہ سے غلط فیصلے صادر کردیتے ہیں۔ ہمیں یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ فیصلے کی بنیادوں میں شہادت اور گواہی بھی ہے لیکن اگر گواہی ہی جھوٹی ہوگی تو ظاہری بات ہے کہ اس کا اثر فیصلے پر پڑے گا اور فیصلہ خلاف حق ہوگا اور اس غلط فیصلہ کا پہلا شکار تو گواہ ہی ہوگا جیسا کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دروازے پر جھگڑا کرنے والوں کی آواز سنی اور ان کی طرف نکلے۔ پھر ان سے فرمایا کہ میں تمہارے ہی جیسا انسان ہوں، میرے پاس لوگ مقدمہ لے کر آتے ہیں، ممکن ہے ایک فریق دوسرے سے زیادہ عمدہ بولنے والا ہو اور میں اس کے لیے اس حق کا فیصلہ کردوں اور یہ سمجھوں کہ میں نے فیصلہ صحیح کیا ہے (حالانکہ وہ صحیح نہ ہو) تو جس کے لیے میں کسی مسلمان کے حق کا فیصلہ کردوں تو بلاشبہ یہ فیصلہ جہنم کا ایک ٹکڑا ہے۔ (صحیح بخاری/۷۱۸۵)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی انسان کسی باطل شے کی حصولیابی کے لئے حیلہ اختیار کرتا ہے حتی کہ وہ بظاہر حق معلوم ہونے لگتا ہے اور پھر اسی بنیاد پر اس کے حق میں فیصلہ بھی ہوجاتا ہے تو باطنی اعتبار سے وہ باطل شے اس کے لئے درست نہیں ہوگی اور حیلہ کی بنیاد پر کئے گئے فیصلہ کی وجہ سے گناہ زائل نہیں ہوگا۔ (فتح الباری لابن حجر العسقلانی ۱۳/۱۷۴)

۲۔ جھوٹی گواہی کا ایک نقصان یہ ہے کہ جس کے لئے جھوٹی گواہی دی جاتی ہے اس کے حق میں بھی ظلم کا ارتکاب ہوتا ہے جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے سابقہ حدیث میں کہا ہے کہ غلط فیصلے کی بنیاد پر حاصل ہونے والا مال جہنم کا ٹکڑا ہے۔

۳۔ جھوٹی گواہی کا ایک نقصان یہ ہے کہ جس کے برخلاف جھوٹی گواہی دی جاتی ہے اس پر ظلم کیا جاتا ہے کیونکہ جھوٹی گواہی کے ذریعہ اسے حق سے محروم کردیا جاتا ہے۔

۴۔جھوٹی گواہی کی صورت میں گواہ شخص مشہود علیہ کی بددعا کا شکار ہوتا ہے اور مشہود علیہ چونکہ مظلوم ہوتا ہے تو اس کی بددعا اللہ جل شانہ کے یہاں شرف قبولیت سے نوازی جاتی ہے جیسا کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''واتَّقِ دَعْوَةَ المَظْلُومِ؛ فإنَّه ليسَ بيْنَهُ وبيْنَ اللَّهِ حِجابٌ.''یعنی مظلوم کی بددعا سے بچنا کیونکہ مظلوم کی بددعا اور اللہ کے مابین کوئی پردہ نہیں ہے۔(صحیح بخاری ۱۴۹۶/صحیح مسلم ۹۱)

۵۔جھوٹی گواہی کی ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ اس سے جرائم کو فروغ حاصل ہوتا ہے کیونکہ جھوٹی گواہی کے ذریعہ مجرم پیشہ افراد گناہوں سے بچ جاتے ہیں اور وہ یہ سوچ بیٹھتے ہیں کہ جرائم پر جرائم کرتے جاؤ اور عدالتوں میں جھوٹی گواہیوں کی مدد سے بچ جائیں گے تو اس سے معاشرہ میں فتنہ وفساد اور انارکی کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔

۶۔جھوٹی گواہیوں کے ذریعہ حرمتوں کی پامالی ہوتی ہے بایں طور پر کہ معصوم جانوں کو حلال کرلیا جاتا ہے، حرام عزتوں کو حلال سمجھ لیا جاتا ہے، باطل طریقے سے لوگوں کے اموال پر قبضہ کیا جاتا ہے اور اس وجہ سے حقوق کی پامالی ہوتی ہے۔

جھوٹی گواہی کا اثبات کیسے ہوگا؟

جھوٹی گواہی کے اثبات کی کیفیت کے تعلق سے فقہائے کرام کے چار اقوال ہیں:

پہلا قول: فقہائے احناف کا موقف ہے کہ گواہ جب تک اپنی گواہی کے بارے میں اقرار نہ کرلے کہ اس نے جھوٹی گواہی دی ہے یا کوئی ایسی بات کہہ دے جو گواہی کے جھوٹ ہونے پر دلالت کرے جیسے کہ کہے کہ مجھ سے غلطی ہوگئی، یا میرا خیال ہے یا میں وہم کا شکار ہوگیا وغیرہ کیونکہ یہ سبھی صیغے میں نے جھوٹ بولا کے ہم معنی ہیں۔اس وقت تک گواہی کو جھوٹ نہیں قرار دیا جائے گا۔(المبسوط للسرخسی ۱۴۵/۱۶، العنایۃ شرح الہدایۃ للبابرتی ۴۷۵/۷)

دوسرا قول: فقہائے مالکیہ کا کہنا ہے کہ درج ذیل دو امور کے ذریعہ جھوٹی گواہی کا اثبات ہوگا:

۱۔شاہد اپنے بارے میں صراحتاً یا کنایۃً کہہ دے کہ اس نے جھوٹ بولا ہے جیسا کہ کہہ دے کہ اس سے غلطی ہوگئی یا وہ وہم کا شکار ہوگیا یا کچھ ایسی بات کہے جو اس کے جھوٹ ہونے کی دلیل ہو۔

۲۔جب گواہ اپنی گواہی سے مکر جائے اور یہ کسی مکرنا غلطی یا نسیان کی بناء پر نہ ہوتو اس صورت میں گواہ کی گواہی کا اثبات ممکن ہے دلیل ہی کے ذریعہ سہی۔(الجامع لمسائل المدونة لابی بکر محمد بن عبداللہ الصقلی ۵۶۰/۱۷)

تیسرا قول: بعض شافعی فقہائے کرام کا موقف ہے کہ تین طریقوں سے جھوٹی گواہی کا اثبات ہوسکتا ہے:

۱۔گواہ اعتراف کرلے کہ اس نے جھوٹی گواہی دی ہے، یہ اعتراف صراحۃً ہو یا دلالۃً ہو۔

۲۔گواہ کے جھوٹا ہونے کی دلیل قائم ہوجائے۔

۳۔انسان کسی ایسی چیز کی گواہی دے جس کا جھوٹا ہونا متحقق ہو جیسا کہ کسی ایسے انسان پر چوری یا زنا کاری کا الزام عائد کرے جو اس وقت شہر میں موجود نہ ہو بلکہ وہ کسی دوسرے شہر یا کسی دوسرے ملک میں موجود ہو۔(المہذب للشیرازی ۴۴۴/۳)

چوتھا قول: بعض امامیہ کا قول ہے کہ جھوٹی گواہی کا اثبات کسی یقینی امر کے ذریعہ ہی ہوگا، جیسا کہ اطلاع دینے کے بعد حاکم کو معلوم ہوجائے تو امامیہ کے نزدیک اقرار یا گواہی سے جھوٹی گواہی کا اثبات نہیں ہوگا۔(الروضة البهية شرح اللمعة الدمشقية ۲۵۹/۱)

فقہائے کرام کے سابقہ سبھی اقوال کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ فقہائے کرام نے کچھ صورتوں کے ساتھ جھوٹی گواہی کے اثبات کو خاص کیا ہے یعنی اگر شاہد (گواہ) اعتراف کرلے، اس کے خلاف دلیل قائم ہوجائے یا پھر گواہی سے مکر جائے تو پھر اس کی گواہی کو جھوٹی تسلیم کریں گے۔حالانکہ درست بات یہ ہے کہ اس تعلق سے اثبات کی سبھی صورتوں اور قسموں کا دروازہ کھلا رکھا جائے اور اعتراف، گواہی، قرائن، تحریر وغیرہ جتنی بھی صورتیں ہوسکتی ہیں، کسی بھی ذریعے سے اگر اس کے جھوٹا ہونے کی بات کا علم ہوجائے تو اس گواہی کو جھوٹی مانی جائے گی، ورنہ جھوٹی گواہی کا دھندہ کرنے والے کبھی بھی اعتراف نہیں کریں گے کہ انہوں نے کوئی جھوٹی گواہی دی ہے۔

جھوٹے گواہ کی سزا: شریعت اسلامیہ نے جھوٹی گواہی پر کوئی خاص سزا تو متعین نہیں کی ہے البتہ اگر کوئی پاک دامن عورتوں پر الزام لگاتا ہے تو پھر اس کے تعلق سے سزا متعین ہے کہ انہیں اسّی کوڑے لگائے جائیں لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ جھوٹے گواہوں کی گرفت نہ کی جائے، بلکہ فقہائے کرام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص جھوٹی گواہی دیتا ہے تو اسے تعزیر کیا جائے گا۔

جھوٹے گواہان کو تعزیر کے تعلق سے فقہائے کرام کے چار اقوال ہیں:

۱۔امام ابوحنیفہ کا موقف ہے کہ جھوٹے گواہ کی سزا یہ ہوگی کہ لوگوں کے سامنے بازاروں اور مسجدوں میں اس کا اعلان کیا جائے گا، لوگوں کو اس سے بچنے کی تاکید کی جائے گی اور اسے مارا نہیں جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ جھوٹی گواہی دیتا ہے، چنانچہ اس سے بچ کر رہا کرو۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بقول: لوگوں کے حقوق کی پامالی کے عوض تو اعلان کیا جائے گا لیکن اس نے حقوق الٰہی میں جو زیادتی کی ہے وہ توبہ اور انابت الی اللہ سے ہی ساقط ہوگا۔

نیز اعلان کرنے میں اس کے جرم کی نوعیت سے مشابہت بھی ہے، کیونکہ جھوٹی

گواہی سے اسے عزت حاصل ہوتی ہے اور اعلان کرنے سے اس کی بے عزتی حاصل ہوتی ہے، چنانچہ یہ سزا اس کے جرم کے مشابہ ہے۔ (المبسوط للسرخسی ۱۴۵/۱۶، فتح القدیر لابن الہمام ۴۷۶/۷)

اس تعلق سے قاضی شریح کا عمل ملتا ہے کہ وہ جھوٹے گواہ کی تشہیر کیا کرتے تھے، البتہ اسے مارا نہیں کرتے تھے۔ (نصب الرایۃ لاحادیث الہدایۃ مع حاشیتہ بغیۃ الالمعی فی تخریج الزیلعی للزیلعی)

اسی طرح اس موقف کے حاملین نے کہا ہے کہ جھوٹے گواہ کی زجر و توبیخ اعلان اور تشہیر کے ذریعہ ہو جاتی ہے۔ مارنا اور پیٹائی لگانا سزا کی سنگین صورتیں ہیں تو ہم تشہیر پر ہی اکتفاء کریں گے، جھوٹے گواہ کو مارنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (الہدایۃ للمرغینانی ۱۳۱/۳)

۲۔ مالکیہ اور احناف میں سے صاحبین یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن شیبانی کا قول ہے کہ جھوٹی گواہی دینے والے شخص کو سخت مار لگائی جائے گی کہ یہ لوگوں کے بات چیت کا موضوع بن جائے۔

امام مالک نے گواہ کے تعلق سے کہا ہے کہ قاضی اسے مارے گا، مجالس میں گھمائے گا اور اپنی صوابدید کے مطابق اس کی پیٹائی لگائے گا۔

ابن القاسم کہتے ہیں کہ مالک کے حوالے سے مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ انہوں نے گواہ کے حوالے سے کہا ہے کہ ایسے شخص کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اگرچہ وہ توبہ کرلے اور اس کے حالات درست ہو جائیں۔

ابن وہب کے بقول: مجھے اہل علم نے مکحول اور ولید بن ابی مالک کے حوالے سے بتایا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے شام کے گورنروں کے پاس یہ تحریر ارسال فرمایا کہ جب تم کسی جھوٹے گواہ کو پکڑو تو اسے چالیس کوڑے مارو، اس کے چہرے کو سیاہ کرو اور اسے شہر میں گھماؤ تاکہ لوگ اسے پہچان جائیں۔ اسی طرح ایک لمبی مدت کے لئے اسے قید خانہ میں ڈال دو اور اس کا سر منڈا دو۔

ابن شہاب کے بقول: میرا موقف یہ ہے کہ اسے سخت سزا دی جائے تاکہ لوگوں کو اس کا علم ہو سکے اور ان کی گفتگو کا موضوع بن سکے۔ (المدونۃ الکبریٰ ۵۷/۴)

اس موقف کے حاملین نے اپنے قول کے اثبات کے لئے یہ دلیل پیش کی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک موقع سے جھوٹے گواہ پر چالیس کوڑے برسائے اور اس کے چہرے پر سیاہی پوتی۔

نیز جھوٹی گواہی سنگین جرم ہے اور اس کا نقصان کسی ایک فرد تک محدود نہیں رہتا ہے بلکہ بہت سارے افراد اس کے اثرات بد کے شکار ہوتے ہیں۔ نیز اس کی کوئی شرعی سزا متعین نہیں ہے جس کو قاضی اختیار کرے گا تو اس کی سنگینی کے پیش نظر یہی سزا مناسب ہے کہ اسے سخت سزا دی جائے تاکہ آئندہ کوئی اس جرم کو کرنے سے پہلے بارہا سوچے۔ (المدونۃ الکبریٰ ۲۳/۵، تبیین الحقائق ۲۴۴/۴)

۳۔ شافعی اور حنبلی فقہائے کرام کا موقف ہے کہ جھوٹے گواہ کی سزا قاضی کی صوابدید پر ہوگا۔ اگر قاضی چاہے تو ایسے شخص پر کوڑے برسائے، چاہے تو اس کا سر مونڈ ڈالے، چاہے تو لمبے زمانے کے لئے جیل خانہ وغیرہ میں ڈال دے۔ (الحاوی الکبیر فی فقہ الامام الشافعی للماوردی ۴۳۹/۱۳)

البتہ حنبلی فقہائے کرام نے کہا ہے کہ اگر امام اسے کوڑے مارنے کی سزا دیتا ہے تو دس کوڑوں سے زیادہ کوڑے نہیں مار سکتا ہے۔

شافعی فقہائے کرام کا کہنا ہے کہ انتالیس کوڑوں سے زیادہ کوڑے مارنے کی سزا نہیں دے سکتا ہے تاکہ وہ حدود سے کمتر ہی رہیں۔

امام اوزاعی طلاق کے تعلق سے جھوٹی گواہی دینے والوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ انہیں سو کوڑے مارے جائیں گے اور مہر کے بقدر مالیت جرمانہ عائد کیا جائے گا۔ (المغنی لابن قدامہ ۲۳۱/۱۰)

اس قول کے قائلین نے جھوٹی گواہی دینے والے کی کوئی خاص سزا اس لئے متعین نہیں کیا ہے کہ امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اس سلسلے میں متضاد سزائیں منقول ہیں۔ ایک روایت کے مطابق ایسے شخص کو چالیس کوڑے لگائے اور دوسرے اثر کے مطابق اس کی تشہیر کرائی۔ (سنن بیہقی ۲۰۴۹۴)

۴۔ امامیہ کا کہنا ہے کہ جھوٹے گواہ کو چالیس کوڑے مارا جائے گا تاکہ وہ دوبارہ جھوٹی گواہی کی ہمت نہ کر سکے۔ (جواہر الکلام شرح شرائع الاسلام ۵۱/۷)

امامیہ کے فقہائے کرام نے اپنے موقف کی کوئی دلیل پیش نہیں کی ہے، ایسا لگتا ہے کہ مغنی میں موجود عمر رضی اللہ عنہ کے اس اثر سے استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ وہ جھوٹے گواہ کو چالیس کوڑے مارا کرتے تھے۔

راجح: جب ہم مذکورہ اقوال اور ان کی دلیلوں پر غور وخوض کرتے ہیں تو تیسرا قول راجح معلوم ہوتا ہے۔ اس رائے کی رو سے قاضی اور حاکم اپنی صوابدید سے جھوٹے گواہ کو سزا دے گا، اس لئے کہ ہم اگر تشہیر ہی کو جھوٹے گواہ کی سزا متعین کر دیتے ہیں تو کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں تشہیر سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی گوشمالی ضروری ہوتی ہے۔

اس قول کی بنیاد پر عمر رضی اللہ عنہ سے منقول سبھی آثار پر عمل ہو جاتا ہے اور قاضی حالات وظروف کے لحاظ سے ان میں سے کسی کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے۔

اسی طرح اس قول کو ماننے کی صورت میں شریعت کی جو خاص خوبی ہے کہ وہ ہر زمان ومکان کے موافق ہے اور اس سے ہم آہنگ ہے کیونکہ پھر اس قول کے مطابق اپنے زمانے کی روش کو اختیار کرتے ہوئے جھوٹے گواہ کو سزا دے گا۔ واللہ اعلم بالصواب

☆☆☆

علم میں بھی سرور ہے لیکن

تسلیم حفاظ عالی

دینی علم کی اہمیت وفضیلت ہر صاحب ایمان واسلام کے نزدیک دو دو چار کی طرح واضح اور روز روشن کی طرح عیاں ہے۔توحید، رسالت، نماز، روزہ، زکات، حج اور معاشرت کے دیگر اسلامی آداب واحکام کا ضروری وبنیادی علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ایک مسلمان کو اگر توحید کا معنی ومفہوم اور اس کے تقاضوں کا علم نہ ہو، شرک کی حقیقت اور اس کے فسادات ونقصانات کی معرفت نہ ہو، معاشرت کے اسلامی آداب واحکام سے آشنائی نہ ہو، اس کے اخلاق وعادات اور اطوار وکردار سے اسلامی تعلیمات وہدایات کے اثرات ظاہر نہ ہوں، اس کے معاملات سے اسلام کی مطلوبہ شفافیت مترشح نہ ہو، تو اس کے مسلمان ہونے کا دعوی محض دعوی ہی رہ جائے گا۔

ایک مسلمان کی اولین ترجیح اخروی زندگی میں کامیابی وکامرانی کا حصول ہونا چاہیے۔ساتھ ہی ساتھ اسلام کے عطا کردہ سنہری ضابطہ حیات کی روشنی میں دنیاوی زندگی کی بہتری بھی اس کا مطمح نظر ہونا چاہیے۔مذہب اسلام نے جہاں فکر آخرت پر زور دیا ہے وہیں دنیاوی نصیب وحظ سے غفلت سے بھی منع کیا ہے۔اس نے جہاں توحید وشرک اور عبادات کے احکام ومسائل کو کھول کھول کر بیان کیا ہے وہیں معاملات اور آداب معاشرت کے کسی بھی باب کو تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔

ایک مسلمان کی شرعی ذمہ داری ہے کہ وہ پہلے اسلام کے عطا کردہ دستور زندگی کا علم حاصل کرے اور پھر اس کی روشنی میں اپنی زندگی گزارے۔اس کے سفر حیات کا آغاز پیغام ربانی ''اقرا'' پر عمل سے ہو اور اختتام رب کی خوش نودی کے حصول پر۔یہی ایک مسلمان کی زندگی کا خلاصہ ہے۔

اسلام کے پیغام کا تقاضائے اولین معرفتِ رب العالمین ہے۔ایک مسلمان پر فرض ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنے رب کو پہچانے، دین کو جانے اور اس کی روشنی میں دنیاوی امور ومعاملات سرانجام دے۔

مدارس وجامعات اور مساجد ومکاتب دین کی تعلیم وتفہیم کے بنیادی مراکز ہیں۔ہند وبیرونِ ہند میں دینی علوم کے نشر واشاعت میں مدارس وجامعات ہی کا بنیادی رول رہا ہے۔ہمارے ملک ہندوستان میں دینی تعلیمات کے نشر واشاعت اور نسلِ نو کو اسلامی آداب واخلاق سے روشناس کرانے میں مدارس ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔مدارس اسلامیہ کے زوال کا مطلب نئی نسل کی دینی واخلاقی اقدار کا زوال ہے۔کھلے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ اسلام کی بقا مدارس کی بقا پر منحصر ہے۔اگر مدارس زندہ رہیں گے تو اسلام اپنی اصلی شکل میں زندہ رہے گا۔ایسے میں دینی علوم کے ان قلعوں کی حفاظت کی فکر کرنا اور دینی تعلیم کے معیار کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کرنا ہر صاحب ایمان کی شرعی ذمہ داری ہے۔لیکن افسوس ناک بات یہ ہے کہ مدارس دن بدن زوال کا شکار ہوتے جا رہے ہیں۔تعلیمی معیار حد درجہ انحطاط پذیر ہے۔اچھے اچھے اساتذہ محنت کے مطابق اجرت نہ ملنے کے سبب حصولِ معاش کے دوسرے ذرائع ومیادین کی تلاش میں ہیں۔یہ بھی خوش آئند ہے کہ باصلاحیت فارغینِ مدارس سول سروسز کے اعلی ترین امتحانات میں کامیابی حاصل کرکے دوسری جگہوں میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔اسی طرح فارغین مدارس کی ایک بڑی تعداد سرکاری ملازمتوں کے مقابلہ جاتی امتحانات کی تیاریوں میں مصروف ہے۔فارغین کا جو گروپ نکل چکا ہے یا مستقبل میں نکلنے والا ہے، اس کے زبردست اثرات طلبہ مدارس کے ذہن ودماغ پر مرتب ہونے والے ہیں۔ زمانہ طالب علمی میں اب ہر طالب علم کا نصب العین عمدہ سے عمدہ سرکاری ملازمت کا حصول ہی ہوگا۔مجبوری میں کچھ طلبہ مدارس میں پڑھائی کریں گے بھی، لیکن ان کے ذہن ودماغ کے کسی بھی گوشے میں بہتر معلم بن کر مدارس میں تدریسی خدمات انجام دینے کا خیال تک نہیں ہوگا۔یہ کوئی ہوائی تیر نہیں ہے کہ مدارس کا مستقبل اس کی زد پر نہ آئے۔بلکہ اس تیر کا براہ راست نشانہ مدارسِ اسلامیہ کا مستقبل اور اس کا معیار تعلیم وتدریس ہے۔ارباب مدارس کو میرے خیال سے اس کا احساس بھی ہے۔اس سلسلے میں لکھنے کو تو بہت کچھ ہے اور کئی احباب نے لکھا بھی ہے۔سردست ذیل کے چند منتشر خیالات پر نگاہ ڈالنا فائدے سے خالی نہ ہوگا۔

مدارس کی زبوں حالی پر سب سے پہلے نظمائے مدارس کو غور وخوض کرنا چاہیے۔کیوں کہ جہاں وہ ان کے سرد وگرم کو جھیلتے ہیں، وہیں الطاف وعنایات سے محظوظ بھی وہی ہوتے ہیں۔ عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ مدارس وجامعات کے ذمہ داران اپنے اساتذہ کو مہینے میں کم از کم دو تین بار میٹنگ کرکے اخلاص کے ساتھ اپنے فرائض منصبی کو انجام دینے کا درس ضرور دیتے ہیں۔آپ اساتذہ اپنے اندر اللہ کا خوف پیدا کریں۔اخلاص کے ساتھ پڑھائیں۔جتنی تنخواہ مل رہی ہے اس پر قناعت کریں۔قناعت پسندی اللہ تعالی کو بہت زیادہ محبوب ہے۔ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں مہینوں تک چولہا نہیں جلتا تھا۔آپ اللہ کا شکر ادا کریں کہ آپ کے گھر میں روزانہ چولہا جلتا ہے۔ہمارے اسلاف کرام مہینوں کا سفر پیدل طے کیا کرتے تھے آپ کے پاس تو ماشاء اللہ سائیکل ہے، موٹر سائیکل ہے۔وغیرہ وغیرہ۔

مادیت کے اس دور میں یہ باتیں بڑی اہم اور حوصلہ بخش ہیں۔لیکن ان باتوں کا انطباق نظماء مدارس وجامعات پر بھی تو ہونا چاہیے۔انھیں بھی تو سلف صالحین کے زہد وتقشّف کے سبق آموز واقعات سے نصیحت وعبرت حاصل کرنی چاہیے۔ایسا تو نہیں ہے کہ اخلاص اور قناعت پسندی کا باب صرف اساتذہ کے ساتھ خاص ہے۔نظماء مدارس کو اللہ تعالی نے اس سے آزادی کا پروانہ عطا کر دیا ہے۔وہ شاہانہ طرز بودوباش سے محظوظ ہوں۔ایک سے بڑھ کر ایک لگزری گاڑیاں ان کے عالی شان محلوں کی چمچماتی ڈیوڑھیوں میں قطار در قطار کھڑی ہوں۔عیش وعشرت کا ہر سامان ان کے پاس میسر ہو۔ایک استاد کو پورے مہینے میں جتنی سیلری ملتی ہے، ان کے بچوں کا اتنا یومیہ جیب خرچ ہو۔اور وہ قناعت شعار اساتذہ کو مزید قناعت پسندی اور مفلسی پر قانع ہونے کی تلقین کریں،تو ظاہر ہے کہ یہ بات عقل ومنطق سے بالکل پرے ہی مانی جائے گی۔باتیں ذرا تلخ ہیں،لیکن حقیقت بھی یہی ہے۔ میں مانتا ہوں کہ آٹے میں نمک کے برابر کچھ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں۔اور واقعی وہ محنت ولگن سے کام بھی کر رہے ہیں۔لیکن اکثریت آپ کو ایسے ڈکٹیٹر ذمہ داران کی ملے گی جو ہر طرح کے خوف اور احساسِ محاسبہ سے آزاد ہیں۔ان کا کام بس اپنے اساتذہ کے اخلاص کو ناپنا رہ گیا ہے۔ایسے مطلق العنان نظماء مدارس کو چاہیے کہ اپنے آپ کو وقت رہتے ہوئے سدھار لیں۔اپنے اندر اللہ کا خوف پیدا کریں۔فرمان رسول کو ہمیشہ اپنے ذہن میں رکھیں۔ پہلے اپنے آپ کو مخلص بنائیں۔ پھر اس کے بعد جب وہ اپنے اساتذہ کو اخلاص کا پاٹھ پڑھائیں گے تو اس میں اثر ہوگا۔

صداقت ہو تو دل کھنچنے لگتے ہیں واعظ
حقیقت خود کو منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی

تنخواہ کا معیار بلند کیا جائے: ہر زمانے کا اپنا ایک خاص تقاضا ہوتا ہے۔ مادیت کے اس زمانے کا تقاضا یہ ہے کہ ادنی سے ادنی استاد کی ماہانہ تنخواہ کم از کم ایک مزدور کی ماہانہ مزدوری کے برابر ہو۔ایک مزدور اگر ماہانہ بیس پچیس ہزار کما لیتا ہے تو ایک استاد کی تنخواہ کم از کم پچیس ہزار ضرور ہونی چاہیے۔لیکن ہماری حیرت اس وقت دو چند ہو جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ اب بھی ہم نے مکتب کے اساتذہ کو پانچ سے آٹھ اور مدارس کے اساتذہ کو لگ بھگ دس سے بیس کے درمیان محصور کر رکھا ہے۔ مہنگائی کے اژدہے کا منہ دن بدن کشادہ ہوتا جا رہا ہے،لیکن اساتذہ کے مشاہرے ہیں کہ انجماد کے شکار ہیں۔بے چارے اساتذہ بنیادی ضروریات تک کی تکمیل کے لیے پریشان رہتے ہیں۔آخر ان کے پاس بھی ضمیر ہے۔ان کے سینوں میں بھی دل دھڑکتا ہے۔اپنے اوپر ہو رہے ظلم کا احساس انھیں بھی ہے۔کبھی نہ کبھی لب کشائی تو کرنی ہی پڑے گی۔ویسے بھی:

کچھ نہ کہنے سے بھی چھن جاتا ہے اعجازِ سخن
ظلم سہنے سے بھی ظالم کی مدد ہوتی ہے

معیار تنخواہ کی گراوٹ ہی کا نتیجہ ہے کہ اچھے اچھے اساتذہ سے مدارس و جامعات اب دن بدن خالی ہوتے جا رہے ہیں۔سابقہ سطور میں گزرا کہ اساتذہ مختلف میادین کا رخ کر رہے ہیں۔امسال فضلائے مدارس کی ایک معتد بہ تعداد کو سرکاری جاب ملی ہے۔ایک اچھی خاصی تعداد مختلف امتحانات کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ایسے میں سوال یہ ہے کہ ذہنی انتشار کے ساتھ بھلا کون ہے جو فریضہ تدریس سے کما حقہ عہدہ برآ ہو سکے گا۔تدریس کے رخ زیبا کی آراستگی تو ایسے ہی اساتذہ کے ذریعے ممکن ہے جو فکر معاش سے بالکل آزاد ہو کر یکسوئی کے ساتھ طلبہ کو زیور تعلیم سے مزین کرنے میں منہمک ہوں۔

معیاری تعلیم کے لیے معیاری اساتذہ کی ضرورت ہے۔اور معیاری اساتذہ کے لیے آپ کو اچھی تنخواہوں کا انتظام کرنا پڑے گا۔کھوکھلے لفظوں سے اب کچھ نہیں ہونے والا۔اب وقت آ گیا ہے کہ مدارس کے اساتذہ کو اس لائق بنایا جائے اور انھیں اتنا مضبوط بنایا جائے کہ طلبہ انھیں اپنا آئیڈیل سمجھیں اور ان کی طرح بننے میں فخر محسوس کریں۔دینی تعلیم کی ترغیب دینے اور مدارس میں معلّمی کا پیشہ اختیار کرنے کی تلقین کرنے میں اساتذہ کے اندر کسی بھی طرح کی سبکی کا احساس پیدا نہ ہو۔اساتذہ کے بارے میں طلبہ کے ذہن کے کسی بھی گوشے میں یہ تصور بھی نہ پھٹک سکے کہ آپ نے کیا کر لیا ہے۔آپ نصیحت تو کر رہے ہیں لیکن آپ خود ژولیدہ خاطری کے شکار ہیں۔ لہٰذا ہمیں اگر مدارس کے مستقبل کو تابناک اور اس کے معیارِ تعلیم کو مضبوط بنانا ہے تو اساتذہ کے معیارِ تنخواہ کو لامحالہ بلند کرنا ہی ہوگا تاکہ پڑھائی کے زمانے ہی سے ایک طالب علم کے اندر مدرسے کے معلم بننے کی خواہش ہو۔جب کسی معیاری مدرسے کا معلم بن جائے تو سر اٹھا کر وہ کہہ سکے کہ میں فلاں مدرسے کا معلم ہوں۔اسے بھی مبارک باد کا مستحق سمجھا جائے۔اس کے لیے بھی لیٹر پیڈ پر تہنیت نامہ لکھ کر نشر کیا جائے،اور اسے بھی بطورِ مثال ذکر کیا جائے۔

کوانٹیٹی پر نہیں کوالیٹی پر توجہ دیں: عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہر مدرسے والے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارے ادارے میں باصلاحیت اساتذہ کی ایک بہت بڑی ٹیم ہے۔کبھی کبھار یہ بات کسی حد تک درست بھی ہوتی ہے۔لیکن بیشتر اوقات میں اس دعوے کا کھوکھلا پن بالکل ظاہر ہوتا ہے۔اس لیے میرا ماننا ہے کہ کوانٹیٹی سے زیادہ کوالیٹی پر دھیان دینا چاہیے۔پچاس اساتذہ نہ رکھ کر آپ چالیس ہی رکھیں، لیکن حقیقی معنوں میں وہ اساتذہ ہوں۔اس سلسلے میں ایک قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ بہت سارے اہلِ مدارس صرف مدنی فارغین کو اپنے ادارے میں اکٹھا کرنے کی کوشش میں رہتے ہیں۔قابلیت سے قطع نظر مدنیت کا لاحقہ ہی ان کے نزدیک ترجیح کا معیار

(بقیہ صفحہ ۳۱ پر)

سیدنا حضرت عروہ بن زبیر کی حدیثی خدمات: ایک مختصر جائزہ

ڈاکٹر محمد شفیع اللہ (مالدہ)

مدینہ منورہ کے وہ سات نفوس قدسیہ جو اپنے دور کے لوگوں کے لئے علمی دنیا میں سکون قلب کا سبب تھے جنہیں فقہاء سبعہ کے مقدس ومبارک لقب سے یاد کیا جاتا ہے ان میں ایک نام سیدنا عروہ بن زبیر رحمہ اللہ (۹۴م) کا بھی ہے۔

نام و نسب: آپ کا نام عروہ، کنیت ابوعبداللہ ہے، آپ کے والد زبیر بن العوام ہیں جو نقیب رسول اللہ کے لقب سے ممتاز تھے اور ان دس صحابیوں میں شامل ہیں جنہیں دنیا ہی میں جنت کی بشارت دی گئی ہے، آپ کی والدہ محترمہ سیدہ اسماء بنت ابی بکر (سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی بڑی صاحبزادی) ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذات النطاقین کا لقب عنایت فرمایا ہے۔ آپ کے نانا سیدنا ابوبکر صدیقؓ ہیں جو خلیفۃ الرسول اللہ، رفیق غار، نبیوں کے بعد امت کے افضل ترین انسان ہیں۔ آپ کی خالہ محترمہ ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہؓ زوجہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ بہت ہی کم انسانوں کو ایسی خاندانی شرافت وعزت نصیب رہی ہے۔ حضرت عروۃ بن الزبیر اسی خاندان کے چشم وچراغ ہیں۔ (ابن خلکان: وفیات الأعیان: ۳/۲۵۵، ط: دار صادر، بیروت)

عام حالات: خلافت فاروقی کے آخری سال یا خلافت عثمانی کے اوائل میں آپ کی ولادت ہوئی اس وقت آپ کا خاندان عرب میں اعلی واشرف سمجھا جاتا تھا، آپ کے دو بھائی (حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما) صحابی رسول ہیں۔

علم وفضل اور زہد وورع کے خانوادے میں آنکھ کھولنے کے طفیل حضرت عروہ کو فقہ وحدیث دونوں علوم میں بے پناہ کمال حاصل تھا، آپ کبار تابعین اور مدینہ منورہ کے فقہاء سبعہ میں سے ہیں ثقہ، عالم، فقیہ اور محدث تھے، آپ علیہ الرحمۃ بکثرت روزہ رہا کرتے تھے، روزہ ہی کی حالت میں وفات ہوئی، روزانہ ایک چوتھائی قرآن شریف کی دیکھ کر تلاوت فرماتے، اسی حصہ کو نماز تہجد میں پڑھا کرتے، یہ معمول زندگی بھر کبھی فوت نہیں ہوا۔ (ذہبی: تذکرۃ الحفاظ: ۱/۵۰، ط: دار الکتب العلمیہ بیروت)

آخر عمر میں آپ کے پیر میں ایک بیماری پیدا ہوئی جس کی وجہ سے پیر کاٹنے کی نوبت آئی، اطباء اور معالجین نے کہا کہ آپ شراب پی لیں، ہم پیر کاٹ دیں گے، آپ کو تکلیف کا احساس نہیں ہوگا، آپ نے فرمایا: ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، اسی حال میں پیر کاٹا گیا، آپ تسبیح میں لگے رہے، آپ کو احساس بھی نہیں ہوا، پیر کاٹ دیا گیا اور اس پر خون بند کرنے کے لئے داغ بھی لگا دیا گیا، صرف اس ایک رات نماز تہجد اور اس کی تلاوت چھوٹ گئی۔ (ذہبی: تہذیب التہذیب: ۶/۵۴۳، ط: الفاروق الحدیث للطباعۃ و النشر)

حصول علم حدیث: آپ کی پیدائش کے وقت تک اسلامی حکومت کافی دور تک پھیل چکی تھی آپ نے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خوب انہماک سے علم حاصل کیا۔ آپ کو صحابہ کرامؓ کی ایک بہت بڑی جماعت سے حصول علم کا موقع نصیب ہوا۔ جن میں آپ کے والد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، آپ کے بھائی حضرت عبداللہ بن زبیر، والدہ سیدہ اسماء بنت ابی بکر، خالہ محترمہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ حضرت علی بن ابی طالب، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت اسامہ بن زید، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہم شامل ہیں۔ (ذہبی: تذکرۃ الحفاظ: ۱/۵۰، ط: دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا چونکہ آپ کی خالہ تھیں اس لیے آپ ان کے پاس رہتے اور علم حاصل کرتے۔ اگر بات سمجھ میں نہ آتی "یااماہ" اے میری امی کہہ کر حقیقت مسئلہ دریافت فرماتے۔ تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ حضرت عروہ کو علمی بلندیوں پر پہنچانے میں سب سے زیادہ حصہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہے ام المؤمنین نے اپنے ہونہار بھانجے کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دی اور جو علوم ومعارف جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے آپ کو نصیب ہوئے وہ سب کے سب حضرت عروہ کو سکھانے میں بھرپور محنت کی۔

حضرت عروہ نے بھی اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خوب دلجمعی کیساتھ ان علوم کو اپنے سینہ میں جگہ دیکر محفوظ کیا۔ حضرت عروہ کا اپنا بیان ہے کہ میں نے حضرت عائشہ کی وفات سے چار یا پانچ سال پہلے ان کی کل حدیثیں محفوظ کرلی تھیں، اگر ان کا انتقال اسی وقت ہوگیا ہوتا تو مجھے ان کی کسی حدیث کے باقی رہ جانے کا افسوس نہ ہوتا کیونکہ ان کی کل احادیث میرے سینے میں محفوظ ہوچکی تھیں۔

آپ کے ساتھی قبیصہ بن ذؤیب کہتے ہیں:

كان عروة بن الزبير يغلبنا بدخلوه على عائشة، وكانت عائشة اعلم الناس، فيسألها الاكابر من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم.

یعنی: ہم لوگ مسجد نبوی میں بہت سارے حضرات صحابہ سے علم حاصل کرتے تھے جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں، حضرت عائشہ سے استفادہ کرنے

میں عروہ ہم سے سبقت لے جاتے تھے اور حضرت عائشہؓ بہت بڑی عالمہ تھیں ، اکابر صحابہؓ آپ سے مسائل معلوم کرتے تھے ،

حضرت عروہ حضرت عائشہؓ کے تمام علوم کے امین تھے، سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں:

اعلم الناس بحديث عائشة ثلاثة: القاسم، وعروة ،وعمرة.

کہ حضرت عائشہؓ کی احادیث تین حضرات سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ قاسم، عروہؒ اور عمرہ بنت عبدالرحمٰن۔

حضرت عروہ بن زبیرؓ نے حضرت عائشہؓ سے علم حدیث ہی نہیں بلکہ اشعار بھی یاد کئے تھے۔ ابوالزنادؒ فرماتے ہیں: میں نے حضرت عروہ بن زبیرؓ سے زیادہ اشعار کہنے والا کسی کو نہیں دیکھا، آپ سے پوچھا گیا: ما ارواك للشعر يا عبدالله ! اے ابوعبداللہ! آپ کو اشعار کہنا کس نے سکھادیا؟ حضرت عروۃ نے فرمایا میرے جو بھی اشعار ہیں، ان کو بھی میں نے حضرت عائشہ سے سیکھا ہے، حضرت عائشہ کو کوئی مسئلہ پیش آتا، تو اس میں ضرور کوئی شعر کہہ لیتی تھیں۔ (الذهبى، شمس الدين: سير اعلام النبلاء، ط الرساله ٤/٦٢٤)

کتب ستہ میں عن عروہ عن عائشہ کی سند سے مرویات:

بخاری میں ساٹھ، مسلم میں چھتیس، ابوداؤد میں سینتیس، ترمذی میں چوالیس، نسائی میں چونتیس، ابن ماجہ میں پچاس اور مسند احمد میں انہتر، صرف ان ہی کتب میں حضرت عروہؒ عن عائشہؓ کی سند سے سوا تین سو روایات مروی ہیں۔

مقام و مرتبہ: کتب اسماء الرجال وکتب تواریخ میں آپ کے معاصرین اور دیگر اہل علم کے فرامین سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے دور میں علم کے بحر بیکراں تھے۔ امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ادركت أربعة بحور من قريش: سعيد بن المسيب وأبا بكر ابن عبدالبر ابن عبدالرحمن بن الحارث وعبيدالله بن عبدالله بن عتبة وعروة بن الزبير. کہ میں نے قریش میں علم کے چار سمندر پائے ہیں ان میں ایک نام حضرت عروہ کا بھی ہے۔ (ابن سعد: الطبقات الكبرى، ط دار صادر ٢/٢٨٣)

امام ابن کثیرؒ نے امام زہریؒ کا یہ فرمان بھی نقل کیا ہے:

كان عروة بحرا لا ينزف ولا تكدره الدلاء.

کہ حضرت عروہ علم کا ایسا سمندر ہیں جس سے جتنا علم حاصل کیا جائے تب بھی ختم نہیں ہوتا۔ (ابن كثير : البدايه و النهايه : ٩/٢٠١، ط: دار الفكر)

مشہور تابعی اور خلیفہ عادل حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ما احد أعلم من عروة"

کہ میرے علم کے مطابق حضرت عروہ سب سے بڑے عالم ہیں۔ (ابن كثير : البدايه و النهايه : ٩/٢٠١، ط: دار الفكر)

ساتویں صدی ہجری کے مشہور عالم حضرت امام نووی آپ کے متعلق اہل علم کے اقوال نقل کرکے فرماتے ہیں:

ومناقبه كثيرة مشهورة، وهو مجمع على جلالته، وعلو مرتبه، ووفور علمه.

کہ حضرت عروہ کے فضائل ومناقب بہت زیادہ ہیں آپ کی جلالت شان، بلند مرتبہ اور کثرت علم پر اہل علم کا اتفاق ہے۔ (نووى : تهذيب الاسماء واللغات : ١/٢٣٣، ط: دار الكتب العلميه، بيروت)

آپ رحمہ اللہ کو علم تفسیر، علم حدیث اور دیگر کئی علوم میں مہارت تامہ حاصل تھی لیکن علم فقہ کے ساتھ آپ کو خاص لگاؤ تھا اور اس علم میں آپ کو بلند مقام حاصل تھا اسی وجہ سے آپ کا شمار مدینہ منورہ کے ان سات فقہاء میں ہوتا ہے جن کے فتویٰ پر اہل اسلام عمل کرتے تھے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل علم کی ایک بہت بڑی جماعت نے حضرت عروہ کو مدینہ کے ان سات فقہاء میں شمار کیا ہے جن کی فقہ کو لوگ حرف آخر سمجھتے تھے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اپنے دور خلافت میں جن دس فقہاء کی طرف رجوع کرتے تھے ان میں حضرت عروہ بھی شامل ہیں۔ (ابن کثیر: البدایہ والنہایہ: ۹/۲۰۱، ط: دارالفکر)

مشہور مورخ علامہ واقدی آپ کے فقہی مقام کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وكان من فقهاء المدينة المعدودين ولقد كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يسألونه.

کہ مدینہ منورہ کے بڑے فقہاء میں حضرت عروہ رحمہ اللہ بھی ہیں ان کا فقہی مقام اتنا بلند تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی بسا اوقات دینی مسائل میں ان کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ (حوالہ بالا)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے حضرت حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

لقد رأيت الاكابر من أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم وانهم ليسألونه.

کہ میں نے کبار صحابہ کو حضرت عروہ سے سوال کرتے ہوئے دیکھا۔ (ابن حجر عسقلانى: تهذيب التهذيب: ٧/٣٨١، ط: دائره المعارف)

جس شخص کی طرف صحابہؓ رجوع کریں اور مسائل پوچھیں اس کی فقاہت پر اعتماد کی اس سے بڑی دلیل کیا ہوگی۔

حلقۂ درس اور تلامذہ: تحصیلِ علم کے بعد آپ نے مروجہ طریق کے مطابق درس کا آغاز فرمایا۔ مسجد نبوی میں آپ کا حلقہ درس بہت وسیع تھا۔ آپ سے بے شمار جلیل القدر تابعین نے اکتساب فیض کیا، اور احادیث روایت کی، جن میں سے امام زہری، آپ کے لڑکے ہشام بن عروہ، عمر بن عبدالعزیز، ابن ابی ملیکہ، عطا بن رباح، ابراہیم تیمی، مروان بن حکم وغیرہم ہیں، ان کے علاوہ آپ کے جید طلباء

میں تمیم بن سلمہؒ، سعد بن ابراہیم، سلیمان بن یسار، یحیٰ بن ابی کثیر، عبداللہ بن ذکوان، عبداللہ بن عروہ، عطا بن ابی رباح اور عمرو بن دینار وغیرہ معروف علماء شامل ہیں۔

امام زہری کا بیان ہے: كان عروة يتألف الناس على حديثه.

کہ عروہ لوگوں کو اپنی حدیث پر اکٹھا کرتے تھے۔(ابن حجر عسقلانی: تهذيب التهذيب: ٧/ ٣٨١، ط: دائرة المعارف)

مزید برآں آپ اپنے تلامذہ کو املا کروایا کرتے اور املا کے بعد ان کی تحریر کردہ احادیث دیکھا کرتے تھے، آپ کے لڑکے ہشام بن عروہ فرماتے ہیں: میرے والد فرمایا کرتے تھے کہ: علم حاصل کرو، لوگوں کے سردار اور ان کا مرجع بنو گے، آگے فرماتے ہیں کہ: میرے بھائی عبداللہ، عثمان، علی اور مجھ سے ارشاد فرمایا کہ: جب عام لوگ اور عام طلبہ میرے پاس نہ ہوں، تو مجھ سے علم حاصل کرلیا کرو، چنانچہ ہم فرصت کو غنیمت سمجھ کر آپ سے علم حاصل کرتے، آپ ہمیں حدیثیں سناتے، پھر فرماتے: ان احادیث کو میرے سامنے دہراؤ اور ان کا تکرار کرو، ہشام فرماتے ہیں: میرے والد محترم کو میر قوت حافظہ بہت پسند تھا، اس لئے کہ میں سنی ہوئی احادیث جلد سنا دیا کرتا تھا۔(ابن عساكر: تاريخ دمشق: ٤٠/ ١٤٢، ط: دار الفكر)

کتابت حدیث اور صحیفے: حضرت عروہ رحمہ اللہ کے پاس کثیر تعداد میں ذخیرہ حدیث تحریری صورت میں موجود تھا۔ آپ علیہ الرحمہ کی اکثر و بیشتر مرویات حضرت عائشہؓ کی روایات پر مشتمل تھیں، ہشام بن عروہ اپنے والد عروہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں: "ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے مجھے (عروہ بن زبیر سے) کہا، اے بیٹے! مجھے خبر ملی ہے کہ تم میری احادیث لکھنے کے بعد واپس جا کر دوبارہ لکھتے ہو؟ تو میں نے جواب دیا کہ میں آپ سے کچھ احادیث سننے کے بعد واپس جا کر دوسروں سے احادیث سنتا ہوں۔ تو حضرت عائشہ کہنے لگیں کیا تم نے کبھی معنی میں اختلاف پایا؟ میں نے کہا۔ جی نہیں! تو آپ فرمانے لگیں، یہ کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔(خطيب بغدادي: الكفايه في علم الرواية: ٥٠٢ ط: المكتبة العلمية، المدينة المنورة)

بدقسمتی سے حدیث کی یہ کتب واقعہ حرہ کے دوران تلف ہوگئیں۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ خود حضرت عروہ رحمہ اللہ نے فقہی مسائل اور احادیث کو مستقل کتب میں لکھا تھا لیکن بعد میں ان کو ختم کر دیا کہ کہیں یہ مسائل اور احادیث کتاب اللہ کے ساتھ خلط ملط نہ ہو جائیں جس پر آپ اکثر افسوس بھی کرتے تھے کہ کاش وہ کتب ضائع نہ ہوتیں آپ کے صاحبزادے حضرت ہشام فرماتے ہیں:

أن أباه كان حرق كتبا ثم قال لو ددت انى كنت فديتها بأهلي ومالي.

کہ حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ نے اپنی کتابوں کو جلا کر ختم کر دیا بعد میں اس پر پچھتاتے ہوئے فرماتے وہ کتابیں مجھے اپنے اھل وعیال اور مال و دولت سے زیادہ عزیز محسوس ہو رہی ہیں۔(ابن حجر عسقلانی: تهذيب التهذيب: ٧/ ٣٨١، ط: دائرة المعارف)

علاوہ ازیں آپ کی سیرت نبویہ پر ایک کتاب تھی جس کا تذکرہ مختلف مصادر میں ملتا ہے۔ درج ذیل تلامذہ نے آپ سے اس کتاب کو روایت کیا ہے: ہشام بن عروۃ، یحیٰی بن عروہ، ابوالاسود یتیم عروہ، اور امام زہری وغیرہ (مصطفى الاعظمى: دراسات فى الحديث النبوى: ٩٥١، ط: المكتب الاسلامى)

ایک اور روایت میں ہے کہ ہشام بن عروۃ اپنے والد عروۃ بن الزبیر سے بیان کرتے ہیں کہ: عروہ مجھ سے پوچھا کرتے تھے کیا تم نے لکھ لیا ہے؟ تو میں جواب دیتا جی ہاں، پھر آپ فرماتے: کیا تم نے اپنی کتب اصلاح کے لیے پیش کی ہیں، میں نے کہا نہیں، تو آپ نے کہا تم نے لکھا ہی نہیں ہے۔(خطيب بغدادي: الكفاية فى علم الرواية: ٧٣٢، ط: المكتبة العلمية، المدينة المنورة)

ایک دوسری روایت میں ہشام بیان کرتے ہیں کہ: ''میرے والد ہمیں احادیث پیش کرتے تھے جس طرح ہم کتاب پیش کرتے ہیں۔ آپ کے اصحاب میں سے درج ذیل شاگردوں کے پاس آپ کی مرویات تحریری صورت میں موجود تھیں:

عبدالملک بن مروان: مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ عبدالملک بن مروان نے عروہ بن زبیر سے چند اشیاء کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے رسالہ لکھا جس کا جواب عروہ بن الزبیر نے تحریری طور پر دیا۔

ہبیرہ: امام زہری کا بیان ہے کہ: ''میں عروہ بن زبیر کے ہاں گیا تو آپ ہبیرہ صاحبِ عبدالملک بن مروان کی طرف لکھ رہے تھے جس نے ان سے قول باری تعالیٰ: (يا ايها الذين آمنوا اذا جاء كم المؤمنات) الآیۃ کے بارے میں سوال کیا تھا۔

ہشام بن عروۃ: عبادۃ بن حمزۃ کا بیان ہے کہ میں نے ہشام بن عروہ سے ان کے والد کی صحیح احادیث طلب کیں تو انھوں نے ایک رجسٹر نکال کر کہا، کہ اس میں میرے والد کی صحیح احادیث ہیں جنھیں میں نے ان کے سامنے پیش کرکے اسے جان لیا ہے کہ اسے لے لو۔ اور لوگوں کی طرح یہ مت کہنا کہ اسے میں پہلے لوگوں پر پیش کر کے دیکھ لوں۔

عمر بن عبدالعزیز: عروہ بن زبیر نے مسائل واحکام کے بارے میں کچھ مرویات حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس ارسال کی تھیں۔(مصطفى الاعظمى: دراسات فى الحديث النبوى: ١/ ٠٦١، ط: المكتب الاسلامى)

وفات: بقول امام ذہبی رحمہ اللہ آپ کی وفات ۴۹ھ میں ہوئی۔ حضرت عروہ رحمہ اللہ سفر وحضر میں مسلسل روزے رکھتے تھے جب آپ کا انتقال ہوا تو آپ اس وقت بھی روزہ کی حالت میں تھے۔ ۴۹ھ کو فقہاء کی موت کا سال کہا جاتا ہے کیونکہ اسی سال حضرت علی بن حسین، حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ، حضرت عروہ رحمہ اللہ اور حضرت ابوبکر بن عبدالرحمان رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔(الذهبى، شمس الدين: سير أعلام النبلاء: ٤/ ٤٣٤، ط: مؤسسة الرسالة)

☆☆☆

جماعتی خبریں

وفات کی خبر: انتہائی رنج وغم کے ساتھ یہ خبر دی جارہی ہے کہ جوشی کالونی آئی پی ایکسٹینشن (پٹ پڑ گنج) کے رہنے والے جناب عبد الخالق بھائی کا مورخہ ۷/جنوری ۲۰۲۴ء کو تقریبا تین بجے دن ہارٹ اٹیک کی وجہ سے انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ ان کا آبائی وطن بونڈیہار بلرامپور، یوپی تھا۔ عبد الخالق بھائی پنج وقتہ نماز کے پابند، بلند اخلاق کے مالک اور مہمان نواز تھے، خاص طور سے رمضان کے مہینہ میں مدارس ومکاتب کے نمائندوں کی خاطر مدارات کرنے میں پیش پیش رہتے تھے۔ اللہ رب العالمین ان کی مغفرت فرمائے اور بشری لغزشوں سے درگذر فرما کر جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے۔ نماز جنازہ ۸/۱/۲۴ کو ڈیڑھ بجے جوشی کالونی میں ہوئی اور تدفین میور وہار قبرستان میں ہوئی۔ (شریک غم ودعا گو: عبد الستار محمد اسلام سلفی، امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث دہلی)

مکتب محمدی فیروزپور جھرکہ ہریانہ میں سالانہ پروگرام کا انعقاد: مکتب محمدی فیروزپور جھرکہ ہریانہ کا سالانہ پروگرام مورخہ ۱۷/جنوری ۲۰۲۴ء کو زیر صدارت مولانا خورشید عالم محمدی منعقد ہوا جس کی نظامت کے فرائض مسجد ومکتب کے امام ومدرس مولانا حارث ریاضی نے انجام دیئے۔ تلاوت قرآن مجید کے لئے عالیہ بنت خورشید عالم کو مدعو کیا گیا جس نے سورہ غاشیہ کی تلاوت کرکے محفل کا آغاز کیا۔ نعت نبی صابرین بنت حاجی شاہد نے پیش کرتے ہوئے سامعین کا دل جیت لیا اور سامعین حضرات نے بچیوں کو نقد انعام دے کر ہمت افزائی کی۔ واضح رہے اس مکتب ومسجد کی تعمیر فضیلۃ الشیخ اصغر علی امام مہدی سلفی حفظہ اللہ امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی کوششوں سے عمل میں آئی اور افتتاحی خطبہ جمعہ سے لیکر آج تک ضلعی جمعیت اہل حدیث نوح میوات کے ناظم حافظ مولانا خورشید عالم محمدی اس کو سجانے سنوارنے اور تعلیم وتربیت کا مرکز مقام بنانے میں اہم کردار نبھا رہے ہیں۔ چونکہ وہاں پر احباب جماعت کی تعداد کم ہے اس لئے اس مسجد کی بابت میوات کے احباب وبزرگوں بالخصوص حضرت مولانا شیخ عبد الرحمن السلفی صاحب/ ناظم اعلیٰ صوبائی جمعیت اہل حدیث ہریانہ، کی دیرینہ خواہش اور فکرمندی رہی کہ اس مسجد کو مکتب ومدرسہ میں تبدیل کریں۔ الحمد للہ آج وہ دن آیا کہ تقریباً 3 درجن طلبہ طالبات جو کہ مکتب کے ساتھ عصری اسکول میں بھی پڑھنے جاتے ہیں، کا امتحان ناظرہ قرآن ہوا اور چمن اسلام حصہ اول تا پنجم اور ادعیہ ماثورہ پر مشتمل تقریباً سو سوالات کے طلبہ وطالبات نے تسلی بخش جوابات دیئے۔ اس کے بعد جماعت اہل حدیث ہریانہ میوات کے دینی تعلیمی ادارہ مدرسہ صوت القرآن محمدیہ پنگواں کے ناظم تعلیمات حافظ مولانا مشتاق احمد ندوی صاحب اور مولانا حارث ریاضی، نکہ بھائی سدراوٹ، حاجی شاہد، ایڈوکیٹ اشفاق احمد بن ماسٹر اسلم کے ہاتھوں مسجد ومکتب محمدی کے طلبہ طالبات کو کتاب حصن المسلم اور کچھ نقد انعامات دے کر ان کی حوصلہ افزائی کی گئی، اس کے بعد مولانا خورشید عالم محمدی نے پروگرام میں آئے ہوئے والدین اور علماء کرام کا شکریہ ادا کیا۔ آخر میں مولانا مشتاق احمد ندوی صاحب نے اپنے خطاب میں کہا کہ اگر ہمارے گاؤں میں کسی سے سوال کیا جائے کہ ہم کس کی امت میں ہیں تو وہ اپنے خاندان کا نام لے گا۔ اس مکتب ومسجد میں جو نئی نسل کی تربیت کی جارہی ہے وہ واقعی لائق تحسین ہے اور اس طرح کے معیاری مکتب گاؤں گاؤں میں ہونے چاہئیں۔ اس مسجد ومکتب کے بانی مؤسسین اور جملہ معاونین کے لئے اللہ تعالیٰ صدقہ جاریہ بنائے۔ 3 سال قبل میں اس مسجد میں خطبہ دینے آیا تھا اور اب پوری مسجد واضافی تعمیرات کا معائنہ کیا۔ ہر ناحیہ سے اطمینان بخش کارکردگی ہے۔ مولانا خورشید عالم محمدی نے اس کو ہر اعتبار سے مفید بنایا ہے۔ اللہ انہیں مزید ترقی سے نوازے۔ اس موقع پر ماسٹر احمد خان، ماسٹر شاکر خان، ڈاکٹر عبد اللہ، میوات کارواں گروپ کے ذمہ دار عیسب خان، بھائی ایبل صاحب، وکیل اشفاق احمد، حاجی شاہد حاجی جمعہ خان وغیرہ شامل رہے ہیں۔ (خورشید عالم محمدی، ناظم ضلعی جمعیت اہل حدیث میوات ہریانہ)

جامعہ سراج العلوم بونڈیہار کے سابق استاذ معروف عالم دین مولانا نیاز احمد مدنی صاحب کا انتقال پُر ملال: نہایت ہی رنج وافسوس کے ساتھ یہ خبر سنی گئی کہ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار یوپی کے سابق استاذ معروف عالم دین مولانا نیاز احمد مدنی صاحب کا مورخہ 14/جنوری 2024 کو دیر شب بعمر تقریبا 65 سال انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا نیاز احمد مدنی صاحب بڑے خلیق وملنسار، متواضع اور مخلص انسان تھے اور مرکزی جمعیت کے کاز سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے۔ کانفرنسوں اور پروگراموں میں اکثر شرکت فرماتے تھے۔ دہلی کے اسفار میں مرکزی جمعیت میں قیام کرتے اور جمعیت کی متنوع خدمات کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کرتے اور دعاؤں سے نوازتے تھے۔ آپ کا انتقال جمعیت وجماعت کا بڑا خسارہ ہے۔ آپ کا آبائی وطن بھڑریا (مانک گنج) بلرام پور، یوپی تھا۔ آپ کی ابتدائی تعلیم جامعہ سراج العلوم بونڈیہار میں ہوئی۔ پھر یکے بعد دیگرے جامعہ سلفیہ بنارس، جامعہ فیض عام، مئو، اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں کبار علماء ومشائخ سے اکتساب فیض کیا اور مدرسہ مطلع العلوم میرٹھ، مدرسہ دار الکتاب والسنہ صدر بازار دہلی، جامعہ محمدیہ عربیہ رائیدرگ، جامعہ خیر العلوم ڈمریا گنج اور جامعہ سراج العلوم بونڈیہار جیسے اداروں میں تقریباً چالیس سال تک تعلیمی وتربیتی خدمات انجام دیں۔ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار سے آخری 26 سالوں تک وابستہ رہے۔ اور اس طرح تلامذہ کی بڑی تعداد چھوڑ گئے جو ان کے لیے صدقہ جاریہ ہیں۔ ان شاء اللہ۔ پسماندگان میں اہلیہ دو بیٹے اور ایک بیٹی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے، بشری لغزشوں سے درگذر فرمائے، ان کو جنت الفردوس کا مکین بنائے، جملہ پسماندگان ومتعلقین کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔

آمین (شریک غم: اصغر علی امام مہدی سلفی، امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند)

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے سابق رکن مجلس شوری، صوبائی جمعیت اہل حدیث بہار کے سابق خازن اور ملت کالج دربھنگہ کے سابق استاذ معروف شاعر وادیب پروفیسر خلیل الرّحمن سلفی صاحب کا انتقال پر ملال: نہایت ہی رنج وافسوس کے ساتھ یہ خبر سنی گئی کہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے سابق رکن مجلس شوریٰ، صوبائی جمعیت اہل حدیث بہار کے سابق خازن، جمعیت ابنائے سلفیہ دربھنگہ کے سابق ناظم اور ملت کالج دربھنگہ اور سلفیہ طبیہ کالج واسپتال دربھنگہ کے سابق استاذ معروف شاعر وادیب پروفیسر خلیل الرّحمٰن سلفی صاحب کا آج مورخہ 25/جنوری 2024ء کو صبح ساڑھے نو بجے آبائی وطن محلّہ چک زہرا لہیر یا سرائے دربھنگہ، بہار میں بعمر تقریبا 82 سال انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پروفیسر خلیل الرّحمٰن سلفی صاحب بڑے خلیق وملنسار، متواضع اور مخلص انسان تھے اور جمعیت وجماعت کے کاموں سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے۔ انہوں نے ہندوستان کی قدیم ترین دینی دانشگاہ دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد پٹنہ سے اعلی عصری تعلیم حاصل کی۔ متھلا یونیورسٹی دربھنگہ کے ملت کالج میں فزکس کے پروفیسر رہے۔ کئی سالوں تک سلفیہ طبیہ کالج واسپتال میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ شعر وادب سے بھی دلچسپی تھی اور شاعری میں سلفی تخلص رکھتے تھے۔ آئینے کے نام سے معاصر افسانوں کا ایک مجموعہ ترتیب دے کر شائع کیا تھا۔ عہد شباب میں خطبات جمعہ کا بھی اہتمام کرتے تھے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے سابق رکن شوری اور صوبائی جمعیت اہل حدیث بہار کے دو میقاتوں میں خازن رہے۔ آخری مرتبہ ان کو رکن مرکزی مجلس شوریٰ بننے کی پیشکش کی گئی تو پیرانہ سالی اور سفر نہ کرسکنے کی مجبوری کا حوالہ دیکر انہوں نے اپنی خدمات پیش کرتے رہنے کے وعدے کے ساتھ معذرت کرلی۔ آپ مرکزی جمعیت کے کاز سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے جمعیت کی متنوع خدمات اور سرگرمیوں کے بارے میں معلوم کرکے بہت خوش ہوتے تھے اور مجھ ناچیز سے بڑی محبت کرتے اور دعاؤں سے نوازتے تھے۔ پچھلے دنوں جب انجینئر سید اسماعیل خرم صاحب دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ کے نئے ناظم منتخب ہوئے تو اس موقع پر بھی پروفیسر خلیل الرّحمٰن سلفی صاحب سے خصوصی ملاقات اور سلام ودعا ہوئی۔ سماجی ورفاہی کاموں میں بھی پیش پیش رہتے تھے۔ اپنی مادر علمی دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ سے تادم واپسیں خیر خواہانہ رشتہ استوار رہا۔ ان کا انتقال جماعت وملت کا بڑا خسارہ ہے۔ پسماندگان میں اہلیہ، تین صاحب زادے ڈاکٹر زبیر سلفی (ایم بی بی ایس)، محمد عمیر، محمد زہیر، چھ صاحب زادیاں اور متعدد پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے، بشری لغزشوں سے درگذر کرے، خدمات کو شرف قبولیت بخشے۔ ان کو جنت الفردوس کا مکین بنائے، جملہ پسماندگان ومتعلقین کو صبر جمیل کی توفیق بخشے. آمین

(شریک غم: اصغر علی امام مہدی سلفی، امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند)

(بقیہ صفحہ ۲۶ کا)

ہوتا ہے۔ ان کے یہاں ہندوستانی فارغین قابلِ اعتنا نہیں۔ حالاں کہ ہونا یہ چاہیے کہ نئے اساتذہ کی بحالی کے وقت اہل مدارس اپنے یہاں ٹسٹ کا ایک معیار رکھیں۔ جو اس معیار پر اتر جائے اسے اس معیار کی مقررہ تنخواہ ضرور دیں۔ خواہ وہ کہیں کا بھی فارغ ہو۔ ایسا کرنے سے ان طلبہ کی حوصلہ شکنی نہیں ہوگی جن کی بیرونی جامعات سے منظوری نہیں آئی ہے اور انھوں نے محنت کرکے اپنے آپ کو کسی لائق بنالیا ہے۔

اساتذہ اپنے اندر اخلاص پیدا کریں: دینی تعلیم کے حصول اور اس کے نشر و اشاعت کے لیے اخلاص نہایت ہی ضروری ہے۔ اخلاص کے بغیر نہ علم میں برکت ہوگی اور نہ ہی اس کی نشر واشاعت کے صحیح مواقع آپ کو میسر ہوں گے۔ مشاہرے کی بڑھوتری کے لیے دانش مندانہ اقدام کرنا اور جائز طریقہ اختیار کرنا آپ کا بنیادی حق ہے۔ آپ اپنے حقِ محنت کا مطالبہ کسی سبکی اور ذلت کے احساس کے بغیر سر اٹھا کر کیجیے۔ جائز اور منافقت سے پاک راستہ اختیار کیجیے۔ چاپلوسی اور ضمیر فروشانہ رویہ اختیار کرنا ایک معلم کے شایانِ شان ہرگز نہیں ہوسکتا۔ ایک حقیقی معلم منافقت اور چاپلوسی کی ہوا کو بھی اپنے قریب سے گزرنے نہیں دے گا۔ آپ کی تقرری اگر کہیں آپسی گفت وشنید کے بعد کسی مخصوص تنخواہ پر ہوگئی ہے اور آپ نے ذمہ داری قبول کرلی ہے، تو اخلاص کے ساتھ اسی تنخواہ پر قانع ہوکر اپنی مفوضہ ذمہ داری کی ادائیگی آپ پر شرعی واخلاقی طور پر فرض ہے۔ تنخواہ کے کم ہونے کی وجہ سے تدریس میں خیانت کرنا کسی بھی طور پر آپ کے لیے درست نہیں ہوسکتا۔ میں یہ باتیں اس لیے لکھ رہا ہوں کہ چودہ سالہ تدریسی عرصے میں بہتوں کو میں نے اس مرض خبیث کا شکار پایا ہے۔ اب بھی کچھ لوگ آپ کو ایسے ضرور مل جائیں گے جو اپنی ذمہ داریوں کو صحیح سے ادا نہیں کرتے اور جواز یہ پیش کرتے ہیں کہ اتنی معمولی تنخواہ میں اس سے زیادہ اور کیا ہوسکتا ہے۔ بنا مطالعے کے کلاس میں چلے جاتے ہیں اور ادھر ادھر ٹائم پاس کرکے آجاتے ہیں۔ ایسی صورت میں جو بھی تنخواہ آپ کو مل رہی ہے، اس کی حرمت کے سلسلے میں مجھ جیسے کم علم کو بھی کسی طرح کا کوئی شبہ نہیں ہے۔ بلا شبہ تعلیم وتدریس پیغمبرانہ مشن ہے۔ اس مشن سے جڑنے کے لیے اخلاص اولین شرط ہے۔ مادیت کی قہر سامانیوں کا مجھے اعتراف ہے۔ لیکن انبیائی وراثت کا حقیقی وارث ہونا ہر کسی کے نصیب میں کہاں ہوتا ہے۔ یہ عنایت اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں پر ہی کرتا ہے۔ اگر آپ کو اللہ تعالیٰ نے دینی علم کی نشر واشاعت کے لیے منتخب کرلیا ہے تو آپ بڑے ہی خوش نصیب ہیں۔ اخلاص کے ساتھ اس پیغمبرانہ مشن کی تکمیل اور دینی علوم ومعارف کی نشر و اشاعت میں وہ لطف وسرور ہے جو دنیا کی بڑی سے بڑی جاب میں نہیں۔ سچ کہا ہے علامہ اقبال رحمہ اللہ نے

علم میں بھی سرور ہے لیکن
یہ وہ جنت ہے جس میں حور نہیں

☆☆☆

اہل حدیث منزل کی تعمیر و تکمیل کے لیے

محترم و غیور ائمہ، خطباء، متولیان مساجد اور ذمہ داران جمعیات سے پُر زور اپیل اور التماس

اہل حدیث منزل میں چوتھی منزل کی چھت کی ڈھلائی کا کام ہوا چاہتا ہے اور دیگر تینوں منزلوں کی صفائی کی تکمیل کے لیے آپ سے گزارش ہے کہ آنے والے جمعہ میں باضابطہ طور پر اپنی مسجدوں میں اس کے تعاون کے لیے پرزور اعلان فرمائیں اور مندرجہ ذیل کھاتے میں رقم ارسال فرما کر جنت میں اعلیٰ مقام بنائیں اور اس صدقہ جاریہ میں شریک ہوں۔

تعاون کے طریقے: (۱) سیمنٹ، سریا، روڑی، بدرپور، ریت (۲) نقد رقم (۳) کاریگروں اور مزدوروں کی اجرت کی ادائیگی (۴) کھڑکی، دروازہ، پینٹ، رنگ وروغن کا سامان یا قیمت مہیا کرا کے تعاون فرمائیں اور مال و اولاد اور اعمال صالحہ میں برکت پائیں۔

Markazi Jamiat Ahle Hadees Hind

A/c: 629201058685

ICICI Bank (Chandni Chowk Branch)

RTGS/NEFT IFSC Code-ICIC0006292